اپریل ۱۹۶۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

محمد بابی لتعلیم [illegible]

محمد محمد بابی بلعلم خور

زیر ادارت

امین احسن اصلاحی

قیمت فی پرچہ : ساٹھ پیسے

سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)

خط و کتابت
اور
زر سبیل زر کا پتہ
منیجر ماہنامہ "میثاق"
رحمان پورہ۔ اچھرہ
لاہور ۔۱۲

ماہنامہ
میثاق

ہندوستانی خریداروں
کیلئے
زر سبیل زر کا پتہ
منیجر ماہنامہ "الفرقان"
کچہری روڈ
لکھنؤ

جلد ۶ | شوال سنہ ۱۳۸۱ھ | شمارہ ۴

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ ـــ امین احسن اصلاحی ـــ خالد مسعود صاحب ـــ ۲

تدبر قرآن
تفسیر سورہ بقرہ ـــ امین احسن اصلاحی ۵

مطالعہ حدیث
مثلہ معہ ـــ مولانا عبدالغفار حسن صاحب ـــ ۱۷

افادات فراہی رحمہ
اصول تفسیر ـــ خالد مسعود صاحب ـــ ۲۹

اقتباسات و تراجم
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ـــ " ـــ ۳۹

مراسلہ و مذاکرہ
قرآن کی رو سے ترقی کا مفہوم ـــ امین احسن اصلاحی ـــ ۴۳
تقریظ و تنقید ـــ ۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

ہمارے ملک میں جو دستور نافذ کیا گیا ہے وہ جیسا کچھ بھی ہے اس اعتبار سے بہرحال خوش آئند ہے کہ اس نے قوم کے لیے مارشل لا سے نکلنے اور جمہوریت کی طرف بڑھنے کی ایک راہ کھولی۔ یہ راہ اگرچہ بہت کشادہ نہیں ہے ہم ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر غنیمت ہے۔ اگر کام کرنے والوں نے پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھایا اور ذمہ داری کے صحیح احساس کے ساتھ کام کیا تو انشاء اللہ یہ دستور ایک معیاری دستور کی تمہید ثابت ہوگا۔

اس دستور کی کامیابی اور ناکامی کا بہت کچھ انحصار بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کی فہم و بصیرت اور ان کے سیاسی کردار پر ہے۔ اگرچہ جس وقت ان کا انتخاب ہوا تھا یہ بات عوام کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھی کہ بالآخر یہی لوگ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے نمائندوں کا انتخاب بھی کریں گے۔ لیکن صدرِ ریاست نے یہ بارِ امانت انہی پر ڈالنا موزوں خیال فرمایا۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ لوگ اس امانت کے کس حد تک اہل ثابت ہوتے ہیں اور صدرِ ریاست نے جو امیدیں اُن سے باندھی ہیں وہ

کہاں تک پوری ہوتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان لوگوں نے اپنے ووٹوں کی صحیح قدر نہ پہچانی اور اس قسم کے نمائندے اُوپر نہ آسکے جس قسم کے نمائندے اس دستور کے پیش کردہ نصب العین کے لحاظ سے اس ملک کی اسلامی و سیاسی ترقی کے لیے مطلوب ہیں تو اس سے صرف وہ نظام ہی نہیں متاثر ہوگا جو اس دستور کے تحت اس ملک میں قائم ہونے والا ہے بلکہ اس اعتماد کو بھی بڑا صدمہ پہنچے گا جو صدرِ ریاست نے بنیادی جمہوریتوں کے نظام پر قولاً و عملاً بار بار ظاہر فرمایا ہے۔ یہ امتحان بنیادی جمہوریتوں کے لیے بڑا ہی سخت ہے۔ خدا کرے وہ اس امتحان میں پوری اُتر سکیں۔

ہم اس پہلو سے بھی اس دستور کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس میں اسلام کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ قانون سازی کے معاملہ میں بھی اور تمدنی و تہذیبی دائروں میں بھی اس کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھنے کا عہد و اقرار کیا گیا ہے۔ اس بابِ خاص میں ہمارے نزدیک اصلی اہمیت دستور کے الفاظ کی نہیں بلکہ دستور کو چلانے والوں کے نیت و ارادہ کی ہے۔ اگر ان کے اندر یہ ارادہ موجود ہو کہ وہ پاکستان کو ایک صحیح قسم کی اسلامی ریاست بنائیں تو ان کی رہنمائی کے لیے وہ الفاظ کافی ہیں جو دستور میں رکھے گئے ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ ارادہ موجود نہ ہو تو یہ الفاظ تو درکنار واضح سے واضح اور قطعی سے قطعی الفاظ اور فقروں سے بھی اسلام کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ہمیں توقع یہی کرنی چاہیئے کہ انشاءاللہ یہ الفاظ بامعنی ثابت ہوں گے اور اس ملک کی ترقی اسلامی خطوط ہی پر ہوگی۔

دستور کا یہ پہلو تقاضا کرتا ہے کہ ووٹ دینے والے حضرات ووٹ دیتے وقت امیدواروں کے اسلامی ذہن و کردار پر ضرور نگاہ رکھیں۔ اگر اسلامی ذہن و کردار رکھنے والے لوگ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں نہ پہنچے تو دستور کے وہ الفاظ بالکل بے معنی اور بے اثر ہو کر رہ جائیں گے جو اسلام کے حق میں ہیں ووٹروں کو اس حقیقت پر بھی نگاہ رکھنی ہوگی کہ اسلامی ذہن و کردار صرف دعوے کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی شہادت دعویٰ کرنے والے کی عملی زندگی فراہم کرتی ہے۔ ووٹ مانگنے والوں میں سے تو شاید ہی کوئی شخص ایسا نکلے جو اس بات کا مدعی نہ ہو کہ اس نے ووٹ مانگنے کا یہ دردِ سر صرف اسلام کے لیے اختیار کیا ہے لیکن ووٹ دینے والے اگر چاہیں گے تو اس کی زندگی کے پچھلے اوراق پر ایک نظر ڈال کر بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا۔

ہم نے اگرچہ اقامتِ دین کے اُس نصب العین کے لیے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے پیشِ نظر رہا ہے انتخابات کی راہ کو کبھی وقعت نہیں دی ہے اور اب بھی ہم پُورے شرح صدر کے ساتھ اپنی اسی رائے پر قائم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری یہ رائے بھی ہے کہ اگر ہونے والے انتخابات میں اسلامی ذہن و فکر اور اسلامی کردار رکھنے والے قابل اور ذہین افراد کی ایک معتد بہ تعداد منتخب ہو کر نئی اسمبلی میں نہ پہنچ سکی تو اس سے اسلام کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ موزوں نمائندوں کا انتخاب اگرچہ صحیح طریقہ پر سیاسی پارٹیاں ہی کر سکتی تھیں لیکن اس وقت جب کہ وہ موجود نہیں ہیں اس کے سوا چارہ نہیں کہ اسلامی فکر رکھنے والے قابل اور ذی اثر اشخاص خود اپنے مناسب حلقوں سے کھڑے ہوں۔ انشاء اللہ ان کا یہ کام خدمت اسلام میں محسوب ہو گا۔

مشاورتی کونسل سے متعلق صدرِ ریاست کی خدمت میں ہماری گذارش یہ ہے کہ وہ اس کے لیے ایسے اشخاص کا انتخاب فرمائیں جو اپنی دینی بصیرت کے لحاظ سے ممتاز بھی ہوں اور جن کے فکر و نظر پر عامۂ مسلمین کو اعتماد بھی ہو۔

ہماری قوم کے نئے اور پرانے دونوں گروہوں میں متوازن ذہن و فکر کے اربابِ بصیرت موجود ہیں۔ اگر ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا تو شاید اس خلیجِ اختلاف کو پاٹا جا سکے جو اسلام سے متعلق یہاں متجددین اور علماء کے درمیان حائل ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی پہلو سے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوئی جو اسلام کو ایک بازیچۂ اطفال بنائے ہوئے ہیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہو گا کہ یہ خلیجِ اختلاف وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے گی اور نہیں معلوم کہ آئندہ یہ کس انجام پر منتہی ہو۔ ہم اس سے پہلے بھی اس اختلاف کی سنگینی پر ان صفحات میں لکھ چکے ہیں اور اب اس موقع پر بھی اس کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ معروضات لائقِ اعتنا سمجھی جائیں گی۔

(۲)

ماہ مارچ کا ایک اہم واقعہ فرانس اور الجزائر کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ ہونا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے وہ جنگ ختم ہو گئی ہے، جو یکم نومبر ۱۹۵۴ء کو شروع ہوئی تھی اور جس کے نتیجہ میں تقریباً (بقیہ بر صفحہ ۵۱)

تدبّرِ قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ بقرہ

(۲۴)

وَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ..... قَدِیْرٌ | عفو کے ایک معنی تو دل سے معاف کر دینے کے ہیں اور دوسرے معنی کسی کو نظر انداز کر دینے کے بھی ہیں مثلاً یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ۱۵- مائدہ (اور تمہارے لئے بیان کرتا ہے بہت سی وہ چیزیں جو تم کتاب کی چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز کرتا ہے) صفح کے معنی چشم پوشی کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہیں، کسی حماسی کا شعر ہے ؎

صفحنا عن بنی ذھل   وقلنا القوم اخوان

ہم نے بنی ذھل کی شرارتوں سے چشم پوشی کی اور خیال کیا کہ یہ لوگ اپنے ہی بھائی ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ابھی کچھ دنوں ان یہودیوں کی شرارتوں کو نظر انداز کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اُن کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔ یہ پوری آیت یہود کے لئے تہدید و وعید ہے اور اس بامرہٖ کے اجمال کے اندر وہ ساری باتیں چھپی ہوئی ہیں جو بعد میں یہود کے ساتھ جنگ کے حکم، ان کی ہزیمت اور قتل و جلاوطنی اور ادائے جزیہ وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ..... بَصِیْرٌ | یہ مسلمانوں کو معاندین اسلام کی مخالفتوں کا علاج بتایا گیا ہے کہ اگر تم ان فتنوں پر غالب آنا چاہتے ہو تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اسی سے تمہاری وہ روحانی و اخلاقی تربیت ہوگی جو تمہیں ایک طرف تو مخالفین کی وسوسہ اندازیوں سے بالکل مامون کر دے گی، دوسری طرف تم کو جماعتی حیثیت سے ایک ایسی بنیان مرصوص بنا دے گی کہ کوئی طاقت بھی تمہیں ہلا نہ سکے گی۔ قرآن مجید

میں نماز اور زکوٰۃ کو تمام دین کی بنیاد، تمام تربیت و اصلاح کی اساس اور تمام قوت و طاقت کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسری ساری چیزوں کو ان کے تابع قرار دیا گیا ہے۔ مکی سورتوں میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے مقابل میں صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے وہاں نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی بقومیں تحویل قبلہ کے حکم کے بعد جب مخالفت کا طوفان اٹھا ہے تو فرمایا گیا کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۱۵۳-بقرہ- (اے ایمان والو، صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہو بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔) اسی طرح جو لوگ مضبوط تربیت کے بغیر جنگ و جہاد کے لیے جلدی مچاتے تھے ان کو نماز و زکوٰۃ کے ذریعے اپنی تربیت کرنے کی ہدایت کی گئی۔ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (ابھی اپنے ہاتھ روکو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) سورہ حج میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد ہدایت فرمائی کہ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۷۸ (پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔)
یہاں بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم اسی پہلو سے ہے۔ اس پر مزید بحث آگے آئے گی۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى، تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ...... اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

هُوْد۔ ھائد کی جمع ہے اس کی تحقیق آیت ۶۲ کے تحت گزر چکی ہے۔

جس طرح نسخ کا اعتراض مسلمانوں کے دلوں میں شک اور تردد پیدا کرنے کے لیے اٹھایا گیا اسی طرح یہ پروپیگنڈا بھی یہود اور نصاریٰ دونوں کی طرف سے کیا گیا کہ نجات حاصل کرنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو یہ ہے کہ آدمی یہودیت اختیار کرے یا نصرانیت، یہ دونوں خدائی دین ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی نئے دین کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔

یہود اور نصاریٰ یوں تو آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، آئے دن ان کے اندر مذہبی اختلاف کی بنا پر خون خچر ہوتا رہتا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی مخالفت کے لیے دونوں آپس میں بڑے روادار بن گئے تھے، دونوں نے مل کر ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا تھا اور ہم زبان ہو کر یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ جس کو نجات مطلوب ہو وہ یہودی بنے یا نصرانی۔ یہ نیا دین پھیلایا گیا ہے، یہ تو محض ایک فتنہ ہے۔

یہود نے اسلام کی مخالفت میں رواداری کی یہ روش مشرکین تک کے معاملہ میں اختیار کر لی

تھی۔ نصاریٰ تو بہرحال ان کے اپنے ہی بھائی بند تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی اس حق دشمنی کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۔ ۵۱ نساء (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتابِ الٰہی کا ایک حصہ ملا، وہ جبت اور طاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں)

اس پروپیگنڈے کو اس چیز سے تقویت پہنچی ہوگی کہ اہلِ عرب اہلِ کتاب سے پہلے سے حسنِ ظن رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی تائید میں یہ بھی کہتے رہے ہوں گے کہ یہودیت اور نصرانیت کے آسمانی دین ہونے سے تو قرآن کو بھی انکار نہیں ہے۔ ان وجوہ سے قرآن نے اس کی بھی تفصیل کے ساتھ تردید کی۔ فرمایا کہ "تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ" یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں، یعنی یہ محض ان کی من گھڑت باتیں ہیں جو بغیر کسی سند اور دلیل کے انہوں نے محض اپنے جی سے گھڑ رکھی ہیں، خدا نے یہودیت اور نصرانیت کسی کے حق میں بھی یہ پروانہ جاری نہیں کیا ہے کہ جو یہودی یا نصرانی بن گیا اس کے لیے جنت ہے، اگر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں تو اپنے اس دعوے کی سچائی پر اپنی کتاب سے کوئی دلیل پیش کریں۔ اس طرح کی ان کی بہت سی تمنائیں اور خواہشیں تھیں جو انہوں نے دین اور عقیدہ بنا کر بلا کسی سند کے اپنے دلوں میں پال رکھی تھیں اس وجہ سے قرآن نے اگرچہ یہاں ذکر ایک ہی کا کیا ہے لیکن جمع کا لفظ استعمال کر کے اشارہ ان سب کی طرف کر دیا ہے۔ ہم اسی سورہ کی آیات (۷۸ - ۸۱) کی تفسیر کرتے ہوئے ان امانی کی تفصیل پیش کر چکے ہیں۔

بَلٰى، مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ..... يَحْزَنُوْنَ | یعنی نجات یافتہ اور مستحق جنت ہونے کے لیے یہودی یا نصرانی ہونا شرط نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آدمی ایک تو مسلم بنے دوسرے یہ کہ محسن بنے۔ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو پورے طور پر خدا کے حوالہ کر دے اس کے نبیوں اور رسولوں میں کوئی تفریق کیے بغیر اپنی پوری زندگی کو اس کی شریعت کے تابع کر دے۔ احسان کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی تعمیل پورے خلوص،

پوری دیانت اور کامل راستبازی کے ساتھ کرے۔ جو لوگ اس طرح خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کا حق ادا کریں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا، نہ کوئی غم۔ یہی تمام انبیاءؑ اور تمام آسمانی صحیفوں کی تعلیم ہے اور یہی عقل اور فطرت کا تقاضا ہے۔

یہ پورا مضمون اسی سورہ کی آیات ۸۰ - ۸۱ میں تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔ وہاں ہم نے اس کے مختلف پہلوؤں پر وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ ..... وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ | یعنی اسلام کی مخالفت کے لیے یہود اور نصاریٰ دونوں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے ہیں اور ایک دوسرے کو بڑی فیاضی کے ساتھ نجات یافتہ اور جنتی قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اس پلیٹ فارم سے الگ ان کی باہمی تکفیر و تفسیق اور جنگ و جدل کا یہ حال ہے کہ یہود نصاریٰ کی کوئی جڑ بنیاد تسلیم نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے لیے کوئی بنیاد تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ دونوں ایک ہی کتاب کی پیروی کے مدعی ہیں، تورات دونوں میں مشترک ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آج جو ان کے اندر یہ گٹھ جوڑ ہوگیا ہے یہ نہ تو دین کے تحفظ کے لیے ہے نہ کسی اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی ہے بلکہ محض اسلام دشمنی کا جذبہ ہے جس نے ان کو متحد کر دیا ہے۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ..... فِيهِ يَخْتَلِفُونَ | الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (جو علم نہیں رکھتے) سے مراد مشرکین بنی اسمٰعیل ہیں، اس لیے کہ یہ کتاب و شریعت سے ناآشنا اُمی تھے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بھی انہی لوگوں کی سی بات کہی۔ یعنی یہ بھی اپنے سوا سب کو باطل پر سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام کی مخالفت کے لیے آج یہ بھی اس مشترکہ محاذ میں شامل ہیں۔ وہ ایک کتاب کے علم اور عمل کے مدعی ہوتے ہوئے دین کی یہ خدمت انجام دے رہے ہیں اور یہ بغیر کسی علم ہی کے پانچوں سواروں میں جا شامل ہوئے ہیں۔ "كَذٰلِكَ" اور "مِثْلَ قَوْلِهِمْ" کے الفاظ بظاہر دونوں ایک ہی مفہوم کے حامل نظر آتے ہیں لیکن غور کرنے سے دونوں سے دو حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک سے محرک اور جذبہ کا اشتراک ظاہر ہوتا ہے، دوسرے سے تعبیر کا۔ یعنی یہ بھی نیت اور عمل دونوں میں انہی یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

آخر میں بطور وعید کے فرمایا کہ ان کی اس نزاع کا فیصلہ اب آخرت میں خدا کی عدالت میں ہوگا۔ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تسلی بھی ہے کہ تم اس نزاع میں صرف تبلیغ حق کے ذمہ دار ہو۔ اس سے زیادہ تمہارے اُوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ .... عَذَابٌ عَظِيمٌ | یہ اشارہ ہے ان مدعیانِ جنت کے اُن کارناموں کی طرف جو انہوں نے باہمی عناد وعداوت کی بنا پر ایک دوسرے کے معابد کو تباہ و برباد کرنے کے سلسلہ میں انجام دیے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ یہود و نصاریٰ کے درمیان بیت المقدس میں بھی ایک دوسرے کو ذکر و عبادت سے روکنے کے لیے نہایت خونریز جنگیں ہو چکی ہیں اور باہر بھی جہاں جہاں اور جب جب ان میں سے کسی کو موقع ملا ہے اس نے مخالف فریق کے عبادت خانے برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ نصاریٰ نے لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکنے کی سعی کی لیکن جب اس کوشش میں ان کو ناکامی ہوئی تو ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور خانہ کعبہ کو منہدم کر دینے کا ارادہ کر لیا جس کی پاداش میں اس پر اور اس کی فوجوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔

ان واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ جو لوگ آج اسلام کی مخالفت میں یُوں ہم زبان ہو گئے ہیں ان کے باہمی تعصبات کا کیا حال رہا ہے۔ اور نجات و ہدایت کے ان ٹھیکیداروں کے کارنامے خدا کی مساجد کے معاملہ میں کتنے سیاہ ہیں۔ ساتھ ہی مساجد الٰہی کا مرتبہ و مقام واضح کرنے کے لیے فرمایا کہ دنیا میں سب سے زیادہ ظالم وہ مدعیانِ ہدایت و تقویٰ ہیں جو اللہ کی مسجدوں سے ذکر الٰہی کرنے والوں کو روکیں اور ان مساجد کی بربادی کے درپے ہوں۔ جو گھر خدا کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا ہے وہ خدا کا گھر ہے، کسی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ خدا کے گھر میں اس کی تخریب کی جسارت کے ساتھ داخل ہو، اللہ کے گھر میں داخل ہونے کا واحد طریق یہ ہے کہ جو بھی اس میں داخل ہو ڈرتے ہوئے اور لرزتے ہوئے داخل ہو جو لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

مساجدِ الٰہی کے احترام کے اسی اصول کے تحت مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ جنگ

کی حالت میں بھی ان کے گرجوں اور معابد کے ہدم یا ان کی توہین کی اجازت نہیں دی گئی - یہ مقام اُن مسلمانوں کے لیے خاص طور پر قابلِ غور ہے جو محض گروہی تعصبات کے تحت اپنے سے ذرا مختلف مسلک رکھنے والوں کو اپنی مساجد سے روکتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے مسلک رکھنے والوں کی مساجد کی بے حُرمتی کرنے کی جسارت بھی کر گزرتے ہیں۔

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ..... اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

یہ اس وجہ نزاع واختلاف کی طرف اشارہ ہے جو یہود و نصاریٰ کے درمیان معابد و مساجد کی توہین و تخریب کا سبب ہوئی۔ یہود و نصاریٰ دونوں کا قبلہ بیت المقدس تھا لیکن نصاریٰ نے خاص طور پر اس کی مشرقی سمت کو اپنے قبلہ کے لیے انتخاب کیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہوئی ہو کہ وہ حصہ جس میں حضرت مریم نے اعتکاف فرمایا تھا اسی سمت میں تھا۔ بیت المقدس کے اس عہد کے نقشہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وہ حصہ جو خواتین کی عبادت کے لیے مخصوص تھا، اسی جانب تھا اور قرآن سے بھی کچھ ایسا ہی اشارہ نکلتا ہے۔ سورۂ مریم میں فرمایا ہے۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا (۱۶) (اور کتاب میں مریم کی سرگذشت کو یاد کرو، جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب میں معتکف ہو بیٹھی) اس ضد میں یہود نے اس کی مغربی سمت کو اختیار کیا ہوگا اور پھر اندرون بیت المقدس کی یہ تقسیم اس سے باہر نکل کر مستقلاً مشرق و مغرب کی تقسیم بن گئی ہو گی۔ یعنی نصاریٰ نے سمت مشرق کو اپنا قبلہ بنا لیا اور یہود نے مغرب کو۔ پھر اس مشرق و مغرب کے اختلاف نے دونوں کو خوب خوب لڑایا۔ بیت المقدس کے اندر بھی اور اس سے باہر بھی۔ اور اس کے نتیجہ میں دونوں فریق نے ایک دوسرے کے معابد کی پوری بیدردی کے ساتھ بے حرمتی کی۔

قرآن مجید نے یہاں اس سبب اختلاف و نزاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی لغویت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ مشرق ہو یا مغرب، دونوں سمتیں اللہ ہی کی ہیں۔ ان میں سے جس سمت کو بھی انسان رُخ کرے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہے تو اس کا رُخ خدا ہی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس چیز کو یہود و نصاریٰ نے سر پھٹول اور ہدم معابد و مساجد کا سبب بنایا تو یہ ان کی جہالت و حماقت ہے، سمتوں اور جہتوں میں سے کسی سمت و جہت کو بھی خدا کے ساتھ اختصاص

نہیں ہے۔ وہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کہ جدھر بھی رُخ کرتے، خدا ہی کی طرف رُخ کرنے۔ خدا کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت ہر چیز کو محیط ہے۔

ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

یہ بحث مزید تفصیل کے ساتھ آگے تحویل قبلہ کی آیات کے تحت آرہی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا...... کُلٌّ لَّہٗ قَانِتُوْنَ | ولد کے معنی اولاد کے ہیں۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے آتا ہے۔

اُوپر اسلام کے خلاف محاذ قائم کرنے والوں کے ان کارناموں کا حوالہ دیا تھا جو انہوں نے خدا کی مساجد کی تخریب کے سلسلہ میں انجام دیے ہیں، اب یہ ایک اشارہ ان کے مشرکانہ عقائد کی طرف بھی فرما دیا تاکہ ہدایت اور نجات کی اجارہ داری کے ان مدعیوں کا یہ پہلو بھی سامنے آجائے کہ عقیدہ کے اعتبار سے یہ کس سطح پر ہیں۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، نصاریٰ مسیحؑ کو اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان سب کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ سبحانہٗ، خدا اس طرح کی تمام نسبتوں سے پاک اور ارفع ہے۔ کوئی چیز کسی پہلو سے بھی اس کی ذات یا صفات یا اس کے حقوق میں شریک وسہیم نہیں ہے بلکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں اس کی مخلوق و مملوک ہیں۔ کسی کا یہ درجہ نہیں ہے کہ وہ اس کی بندگی اور اطاعت کے قلاوہ سے آزاد ہو بلکہ سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ...... کُنْ فَیَکُوْنُ | بدع کے معنی کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے اور بغیر کسی مادہ و مثال کے ایجاد کرنے کے ہیں۔ اسی سے 'بدعت' کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرنا جس کے لیے کوئی مثال، نظیر اور کوئی ماخذ و مصدر نہ ہو۔ بدیع اسی سے فعیل کا وزن ہے اور معنی میں فاعل کے ہے۔

اُوپر والی آیت کے مضمون تنزیہ باری کی یہ مزید وضاحت ہے کہ یہ بیٹے بیٹیاں جو خدا کے لیے فرض کیے گئے ہیں اس واہمہ کی بنیاد پر فرض کیے گئے ہیں کہ جس طرح دوسرے اپنے معاملات کے انتظام و انصرام میں معاونین اور شرکاء کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح خدا بھی شرکاء اور معاونین کا محتاج ہے۔ حالانکہ خدا اس قسم کے شرکاء اور معاونین سے بالکل بے نیاز و مستغنی ہے۔ وہ آسمان

و زمین کو تنہا اپنی قدرت و حکمت سے وجود میں لایا ہے اور جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو بس فرمادیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ ایسی بے نیاز و مستغنی اور ایسی بے ہمہ و باہمہ قادرِ مطلق ذات کے ساتھ آل و اولاد کا کیا جوڑ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ... لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ | الذين لا يعلمون سے، جیساکہ آیت ۱۱۲ کے تحت وضاحت ہو چکی ہے مشرکین بنی اسمٰعیل مراد ہیں۔ اُوپر اہلِ کتاب کے اعتراضات اور ان کی وسوسہ اندازیوں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب اسی متحدہ محاذ مخالفت کے تیسرے رُکن یعنی مشرکین کے بعض مطالبات کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا ہے۔

ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو خدا نے انہی کو ہمارے اندر سے ہم کلامی کے لیے کیوں منتخب کیا، آخر ہم جو قریش کے سردار اور لیڈر ہیں اور اثر و اقتدار میں محمدؐ سے کہیں اُونچے ہیں، خدا ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا؟ اس مطالبہ کا جواب قرآن نے بعض جگہ دیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے کہ "کسی انسان کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے براہِ راست کلام کرے، وہ صرف وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے بات کرتا ہے"۔ پھر وحی اور رسالت سے متعلق یہ وضاحت فرمادی ہے کہ ہر کس و ناکس اس منصب کا اہل نہیں ہوا کرتا۔ "یہ صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے کہ کون اس منصبِ عظیم کے لیے اہل ہے"۔ لیکن یہاں خاص اس مطالبہ کا جواب نہیں دیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا جواب نہ دینے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مطالبہ اس قدر گستاخانہ اور احمقانہ ہے کہ اس کا جواب نہ دینا ہی اس کا جواب ہے۔ غور کیجئے کہ قرآن کی اس موقع پر اس خاموشی نے سردارانِ قریش کے پندارِ سیادت پر کیسی کاری ضرب لگائی ہوگی۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ نشانی سے ان کی مراد کوئی ایسی نشانی تھی جو ایک محسوس معجزہ کی نوعیت کی ہو جس کو دیکھ کر ہر شخص پکار اُٹھے کہ بے شک اس نشانی کا دکھانے والا خدا کا فرستادہ اور اس کا رسول ہے، مثلاً یہ کہ اس رسول کے ساتھ ساتھ کوئی فرشتہ اس کی رسالت کی منادی کرتا پھرے، یا اس کے حکم سے مُردے جی اُٹھیں، یا اس کے اشارے سے پہاڑ چلنے لگیں یا اس کی خواہش پر صحرا چمن بن جائے یا اور نہیں تو کم از کم اس کے ایماء پر

اس عذاب ہی کا کوئی نمونہ نمودار ہوجائے جس کی یہ ہر روز دھمکی سُنا رہے ہیں۔

اس مطالبہ کے جواب میں پہلی بات تو یہ فرمائی کہ جس طرح کی نشانی کے لیے یہ مطالبہ کر رہے ہیں بالکل اسی طرح کی نشانی کے لیے اُن قوموں نے اپنے اپنے رسولوں سے مطالبے کیے جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں۔ انہوں نے بھی حق واضح ہو چکنے کے بعد محض رسول کو زِچ کرنے کے لیے اس طرح کی نشانی کے لیے مطالبے کیے اور یہ بھی حق کو سمجھ چکنے کے باوجود محض زچ کرنے کی خواہش کے تحت یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اِن کے دل بھی بالکل انہی لوگوں کے دلوں کی مانند ہو گئے ہیں۔ یعنی قساوت، طغیانی اور حق دشمنی کی جو سیاہی ان کے دلوں پر چھا چکی تھی وہی سیاہی ان کے دلوں پر بھی چھا رہی ہے۔ پھر لازماً اس کے نتیجہ میں ان پر بھی خدا کی طرف سے اسی طرح کا کوئی عذاب آئے گا جس طرح کے عذاب ان پر آئے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ جہاں تک تمہاری رسالت اور تمہاری دعوت کے حق ہونے کا تعلق ہے اس کے دلائل آفاق سے، انفس سے، آسمان سے، زمین سے، تاریخ سے، آثار سے، ہر پہلو سے ہم نے کھول کھول کر قرآن میں بیان کر دیے ہیں۔ یہ دلائل اس قدر واضح ہیں کہ ان کے بعد کسی نشانی اور معجزہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن یہ دلائل ان لوگوں کے لیے مفید ہیں جو یقین کرنا چاہیں، جو یقین نہیں کرنا چاہتے ان کو دنیا کی کوئی چیز بھی قائل نہیں کر سکتی، ایسے لوگ تو عذاب دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، یہاں تک کہ وہ عذاب ان کی کمر توڑ کے رکھ دیتا ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔ ہم نے تم کو حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کے قبول کرنے والوں کو نجات و فلاح کی خوشخبری سنا دو اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو اس تکذیب کے انجام بد سے ڈرا دو۔ اس انذار و تبشیر کا فرض انجام دے چکنے کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے مطالبوں کی تعمیل میں ان کی خواہشات کے مطابق نشانیاں اور معجزے دکھانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ تم سے جو کچھ پرسش ہوگی تمہارے فرضِ رسالت کی ادائیگی کے بارے میں ہوگی، اس بارے میں ہرگز نہیں ہوگی کہ یہ جہنم میں جانے والے لوگ جہنم میں کیوں گئے، ایمان کیوں نہیں لائے۔

یہ ساری باتیں جو اوپر عرض کی گئی ہیں مکی سورتوں میں پچھلی قوموں کی سرگزشتوں کے ضمن میں

مختلف اسلوبوں سے بیان ہوں گی اس وجہ سے ہم یہاں ان کی زیادہ تفصیل نہیں کرتے۔

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی ...... وَلَا نَصِیْرٍ | مشرکین کے رویہ سے مایوس کر دینے کے بعد یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود اور نصاریٰ کا رویہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ بھی تم سے اس وقت تک راضی ہونے والے نہیں ہیں جب تک تم ان کی ملت کے پیرو نہ بن جاؤ۔ یعنی یہودیت یا نصرانیت نہ اختیار کر لو۔ اس لیے کہ ان کے سامنے سوال صرف حق کی وضاحت اور دلائل کے ظہور کا نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے طریقہ پر جمود کا ہے، وہ حق سے زیادہ اپنی خواہشات کے پرستار ہیں اور تمہارے لیے خدا کی طرف سے العلم یعنی علم وحی کے آ جانے کے بعد ان کی خواہشات و بدعات کی پیروی کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اس وجہ سے ان کو یہ فیصلہ کُن جواب دے دو کہ اصل ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آئے تو اب جب کہ میرے پاس اللہ کی ہدایت آ چکی ہے میں اس کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ کی پیروی کس طرح کر سکتا ہوں۔ یہاں یہود و نصاریٰ کے اختیار کیے ہوئے طریقوں کو اہواء (خواہشات) کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ہدایت آ جانے کے بعد کسی اور طریقہ پر جمے رہ جانا درحقیقت اپنی خواہشات کی پیروی ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ، میں خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے لیکن اس میں جو تنبیہ اور عتاب ہے اس کا رُخ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ اس طرزِ خطاب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ملیں گی۔

اس آیت میں ملت کا جو لفظ آیا ہے اس کے اصل معنی طریقہ کے ہیں لیکن اس سے کسی شخص یا گروہ کا وہ طریقہ زندگی مراد ہوتا ہے جس کی بنیاد مذہب اور روایات مذہب پر ہو۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ... هُمُ الْخٰسِرُوْنَ | عام اہل کتاب کے رویہ سے مایوسی کے اظہار کے بعد اُن اہل کتاب کا ذکر فرمایا جو اپنی کتاب پر فی الواقع ایمان رکھتے تھے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اس ہدایت الٰہی پر ایمان لائیں گے جو تم ان کے سامنے پیش کر رہے ہو۔ یہاں صالحین اہل کتاب مراد لینے کی ہمارے نزدیک کئی وجہیں ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ ان کے متعلق فرمایا ہے یتلونه حق تلاوته (یہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے) ہمارے نزدیک یہ ضمیر مفعول سے حال پڑا ہوا ہے اور مقصود

اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان کا حال شروع سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی سچی قدر کی ہے جو ان کو ملی تھی۔ ان لوگوں کے مانند یہ کبھی نہیں رہے ہیں جن کا حال قرآن نے یہ بیان کیا ہے، کہ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔ چارپائے بر و کتابے چند۔ پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ تو ہے لیکن کچھ خبر نہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔ بلکہ یہ فکر و تدبر کے ساتھ برابر اس کی تلاوت کرتے رہے ہیں اور ان کی یہ تلاوت طلبِ ہدایت کے لیے تھی نہ کہ محض اپنی من گھڑت آرزوؤں اور خواہشات کے حق میں دلائل ایجاد کرنے کے لیے۔

دوسری یہ کہ ان کے متعلق خبر دی ہے کہ یہ اس ہدایت پر ایمان لائیں گے جو آخری رسول کے ذریعے سے اللہ نے اُن پہ اُتاری ہے۔

تیسری یہ کہ یہاں ان اہلِ کتاب کے لیے آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ قرآن کے نظائر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صیغہ اہلِ کتاب کے لیے بالعموم مدح کے موقع میں استعمال ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱- اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (۱۴۶ - بقرہ)	جن کو ہم نے کتاب بخشی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔
۲- وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ۔ (۱۱۴ - انعام)	اور جن کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر اترا ہے۔
۳- وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ (۳۶ - رعد)	اور جن کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ خوش ہوتے ہیں اس چیز سے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے۔
۴- اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۔ (۵۲ - قصص)	اور جن کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے اس کے پہلے سے وہ اس پر ایمان لائیں گے۔

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ کے مقابل میں اَلَّذِیْنَ آتَیْنَاھُمُ الْکِتَابَ کے الفاظ کے اندر اہتمام اور عنایت کا جو پہلو نمایاں ہے وہ اِن لوگوں سے مخفی نہیں ہوسکتا جو معروف اور مجہول کے مواقع استعمال اور عربی زبان میں ان دونوں اسلوبوں کی ادبی نزاکتوں سے واقف ہیں۔ مذکورہ اسلوب میں معروف کا صیغہ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کتاب حقیقت میں انہی کو دی جنہوں نے اس کی قدر کی، جنہوں نے اس کی قدر نہیں کی اُن کو گویا خدا نے کتاب دی ہی نہیں۔ اسی فرق کے سبب سے اُوْتُوا الْکِتَابَ کا صیغہ مدح کے مواقع میں بہت کم استعمال ہوُا ہے۔ اولٰئک یومنون بہ، خبر ہے الذین آتیناھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ کی۔ یعنی جو اہلِ کتاب اپنی کتاب کا حق صحیح طریقہ پر ادا کرتے رہے ہیں وہی اس ہدی اللہ پر ایمان لائیں گے جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنّت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی رُوحانی نعمتوں میں برکت انہی کو عطا فرماتا ہے جو ان کی قدر کرتے ہیں، جو قدر نہیں کرتے ان کو مزید عطا ہونا تو الگ رہا جو عطا ہوئی ہوتی ہیں وہ بھی ان سے سلب کر لی جاتی ہیں۔ آخری شریعت کے بارے میں یہی وعدہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اس میں تمہاری ذرّیت کے صرف اچھے ہی لوگ حصّہ پائیں گے، جو برے ہوں گے وہ اس سے محروم رہیں گے۔ پھر یہی بات اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح فرمائی تھی کہ جو تقویٰ پر قائم رہیں گے وہی آخری نبیؐ پر ایمان لائیں گے۔ اسی حقیقت کو مختلف اسلوبوں سے حضرت مسیحؑ نے واضح فرمایا۔ تفصیل ان چیزوں کی اپنے مقام میں آئے گی۔

خریدارانِ رسالہ سے

التماس

"میثاق" کے خریداروں سے التماس ہے کہ دفترِ رسالہ سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ تعمیل میں بڑی زحمت ہوتی ہے۔ اور جواب میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے۔

مینیجر
ماہنامہ میثاق لاہور

مُطالعۂ حدیث

مولانا عبد الغفار حسن صاحب

مثلہ معہ

گذشتہ شمارے میں حدیث اور ضیت القرآن و مثلہ معہ کی تشریح کرتے ہوئے بتلایا گیا تھا کہ اگر حدیث پر کھنے کے لیے عصری تقاضوں کو معیار قرار دیا جائے تو خود قرآن بھی اپنی جگہ قابلِ عمل نہیں رہتا، کیونکہ اس کی بہت سی تعلیمات کو عصری تقاضوں سے متصادم قرار دے کر ٹالا جا سکتا ہے۔

اس شمارے میں حدیث کے پرکھنے کے دوسرے معیار زیرِ بحث آئے ہیں۔

(۶-۶-۶)

احادیث کے پرکھنے کے لیے ایک اہم معیار یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن سے متصادم نہ ہوں اس معیار پر گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے لحاظ سے احادیث کا تجزیہ کر لیا جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قرآنی مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کتنی قسمیں ہو سکتی ہیں۔

مضمون کے لحاظ سے حدیث کے اقسام

پہلی قسم:- ایسی احادیث جو قرآنی آیات سے ملتے جلتے مضامین پر مشتمل ہیں۔ بنیادی عقائد و اخلاق پر مشتمل بہت سی احادیث اسی نوع میں شمار ہوتی ہیں۔ اس قسم کی روایات، قرآن مجید سے صرف الفاظ میں مختلف ہوتی ہیں، معنوی لحاظ سے دونوں میں پوری مطابقت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس طرح کی بے شمار روایات میں سے صرف ایک حدیث بطورِ مثال پیش کی جاتی ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال		ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے

رجل یارسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو للہ ندا وھو خلقک قال ثم ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک، قال ثم ای قال ان تزنی حلیلۃ جارک، فانزل اللہ تصدیقہا وَالَّذِینَ لَا یَدْعُونَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا آخَرَ وَلَا یَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُونَ

(مشکوٰۃ باب الکبائر۔ بخاری و مسلم)

کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے سوال کیا، اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے، آپؐ نے فرمایا "یہ کہ تم اللہ تعالےٰ کے لیے شریک (ہم پلہ) ٹھہراؤ" اُس نے پوچھا "پھر کون سا گناہ؟" آپؐ نے فرمایا "یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس اندیشے سے قتل کر ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگی"۔ اُس نے سوال کیا "پھر کون سا گناہ؟" آپؐ نے فرمایا "کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو"۔ ان ارشادات کی تصدیق و تائید میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "(رحمان کے بندے وہ ہیں) جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہیں پکارتے، اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ نے حرمت والا ٹھہرایا ہے، اِلّا یہ کہ کسی حق کی بنا پر اس کا قتل جائز ہو۔ اور نہ وہ بدکاری کرتے ہیں۔"

سورۂ بنی اسرائیل میں قتل اولاد کے سلسلے میں فرمایا، وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ، یعنی اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان اور کتاب النفاق و الکبائر میں اس نوع کی متعدد احادیث ملتی ہیں جو اجمالی و تفصیل میں بھی قرآن سے یکساں مطابقت رکھتی ہیں۔

دُوسری قسم:۔ ایسی احادیث جن میں قرآن سے زائد مضمون ملتا ہے، اس کی چند شکلیں ہیں۔

(الف) قرآنی اجمال کی تفصیل و تشریح :- مثلاً قرآن میں ہے -

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ آتُوا الزَّکٰوۃَ - نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو -

اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ سے متعلق تفصیلات حدیث سے معلوم ہوتی ہیں -

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا - (النساء - ۱۰۳)		نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے -

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز متعین اوقات میں ادا کرنی ضروری ہے، لیکن اوقات کی پوری تفصیل اور حد بندی حدیث سے واضح ہوتی ہے -

اَلسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا -		چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو -

اس آیت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے مگر کتنا ہاتھ اور کتنی چوری پہ کاٹا جائے گا، یہ سب تفصیلات حدیث میں پائی جاتی ہیں -

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ - (اعراف - ۱۵۸)		نبی ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب بتلایا گیا ہے کہ آپ طیبات (پاکیزہ چیزوں) کو حلال کرتے اور خبائث (ناپاک اشیاء) کو حرام ٹھہراتے ہیں - اب حدیث نے بتلا دیا کہ خرگوش، فاختہ طیبات میں داخل ہیں اور گدھے، کتے، درندے، پنجے دار پرندے اور اس قسم کے دوسرے حیوانات خبائث میں شامل ہیں -

(ب) معنی مقصود کی تعیین :-

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ - (بقرہ - ۲۳۱)		پھر بھی اگر طلاق دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہوتی جب تک ایک اور خاوند سے نکاح نہ کرے -

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد بیوی، شوہر پہ حرام ہو جاتی ہے، اب وہ از سرِ نو نکاح کر کے بھی اسے اپنے گھر میں آباد نہیں کر سکتا، ہاں صرف اس صورت میں جبکہ

کسی دوسرے شخص سے وہ نکاح کرلے اب اگر یہ دوسرا شوہر اس کو طلاق دے دے تو پھر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ اس آیت میں نکاح کے معنی صرف ایجاب وقبول کے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد جنسی تعلق بھی ہے، یہ تعیین و وضاحت حدیث سے معلوم ہوتی ہے، اسی قسم کے واقعہ میں آپؐ نے ایک عورت سے فرمایا تھا حتّٰی تذوقی عُسَیلتہ۔ (مشکواۃ ج ۲ ۔ باب ۔ المطلقہ ۔ ثلاثا، بحوالہ بخاری ومسلم) یعنی محض نکاح (ایجاب وقبول) ہی کافی نہیں ہے بلکہ جنسی تعلق سے عہدہ برا ہونا بھی ضروری ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔	جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا تو انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہ لوگ راہ یاب ہیں۔

(انعام - ۸۱)

حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر صحابہ کرام نے کہا، اَیُّنَا لَمْ یَظْلِم، ہم میں سے کون ہے جو ظلم سے آلودہ نہ ہوا ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پریشانی کو اس طرح دور فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۱۵۲ بحوالہ صحیح بخاری۔ مسند احمد) اس تفسیر کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان - ۱۳) بے شک شرک ایک بڑا ظلم ہے۔

اگر اس پیغمبرانہ تفسیر کو تسلیم نہ کیا جائے تو لازم ہوگا کہ ظلم کی ہر قسم کا ارتکاب ایک مسلمان کو امن ونجات سے کلیۃً محروم کردے گا، کیونکہ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ میں انداز حصر اسی کا متقضی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔	جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

(التوبہ - ۳۵)

کنز کے معنی مال جمع کرنے کے ہیں خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ عربی لغت کے لحاظ سے اس کا یہی مفہوم ہے، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اس آیت کے عموم کی بنا پر صحابہ کرام کا اضطراب دیکھتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وضاحت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا۔

ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ	اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے
الا لیطیب بھا مابقی من اموالکم	کہ اس کے ذریعہ سے مال کا باقی ماندہ
وانما فرض مواریث (ذکر کلمۃ)	حصہ حلال و پاکیزہ قرار پائے، اور میراث
لتکون لمن بعدکم فقال فکبر	اسی لیے ضروری ٹھہرائی ہے تاکہ پیچھے رہ جانے
عمرؓ۔ (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ۔ الفصل الثانی)	والوں کو حصہ مل سکے۔

بحوالہ ابوداؤد)

راوی کا بیان ہے کہ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے (خوشی کے مارے) نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

(ج) شانِ نزول کی وضاحت:۔ قرآن مجید میں عہد نبوی کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ لیکن اندازِ بیان اتنا مختصر ہے کہ جب تک حدیث نبوی کے ذریعہ پورا پس منظر سامنے نہ آجائے اصل واقعہ کے خدوخال نمایاں نہیں ہو سکتے۔ مثلاً

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی	(وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم
الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ	سے وعدہ کر رہا تھا۔ دو جماعتوں میں سے
اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ	ایک کے لیے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے
لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ	گی اور تم چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح جماعت
الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ	تمہارے ہاتھ آئے، درآنحالیکہ اللہ تعالےٰ
الْکَافِرِیْنَ۔ (الانفال۔ ۷)	کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے
	اپنے احکام سے، اور کافروں کی جڑ کاٹ دے

اس آیت میں غزوہ بدر کی طرف اشارہ ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "دو جماعتوں میں سے ایک" اور "غیر مسلح جماعت" سے کون سے گروہ مراد ہیں۔

وَعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ	اللہ تعالےٰ اُن تین افراد پر متوجہ ہوا جو

خُلِّفُوْا - (توبہ - ۱۱۸) مؤخر کیے گئے تھے۔

یہ تین افراد کون تھے اور کس بنا پہ اور کس شکل میں مؤخر رکھے گئے تھے۔ اس کی وضاحت حدیث سے ملتی ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى - (عبس - ۱، ۲) پیشانی پر بل ڈالے اور رُخ پھیر لیا۔ اس بنا پر کہ اس کے پاس نابینا آیا تھا۔

قرآن مجید سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پیشانی پر بل کس نے ڈالے اور یہ آنے والا نابینا شخص کون تھا۔ اس آیت کا پورا پس منظر حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ - (آل عمران - ۱۸۸) اور وہ چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے ہیں ان پر بھی ان کی مدح کی جائے، ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اگر اس آیت کا شانِ نزول معلوم نہ ہو تو قرآن کا طالب علم خوارج کی طرح اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ جس انسانی کمزوری کا اس آیت میں ذکر ہے اس کی بنا پر کوئی مسلمان بھی خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔

اس آیت کی وضاحت کے لیے مروان نے اپنے خادم کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ کے پاس بھیجا اور اُن سے اِس آیت کا مطلب دریافت کیا۔ ابنِ عباس رضؓ نے فرمایا، اس آیت کا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تورات کی کوئی بات دریافت کی۔ انہوں نے ازراہِ شرارت اُسے چھپا لیا۔ اور دوسری بات بتلا کر آپؐ سے یہ توقع رکھی کہ آپؐ اُن کی تعریف کریں گے، اس پہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر اس شانِ نزول کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو آیت کے فہم میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر محض اس خصلت پر جو آیت میں مذکور ہے عذاب ہونا لازم ہو تو فطرتاً ہر انسان کے دل میں پوشیدہ طور پر یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ جو کام وہ نہیں کرتا، اس پر بھی لوگ اس کی مدح سرائی کریں اور

ان کاموں کو اس کا کارنامہ قرار دیں۔ اس اعتبار سے تو بہت سے مسلمان خدا کے عذاب سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۳۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب التفسیر)

مذکورہ بالا شواہد و نظائر سُن کر کہا جاتا ہے کہ حدیث کی تاریخی حیثیت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اس لیے روایات میں قرآن کے مجمل واقعات کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اُسے قبول کیا جائے گا۔

لیکن یہاں یہ سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ حدیث کی تاریخی حیثیت کو تو تسلیم کر لیا جائے لیکن اس کے تشریعی اور قانونی درجے کو قبول نہ کیا جائے حالانکہ دونوں قسم کی احادیث کے راوی ایک ہی طرح کے اوصاف کے حامل ہیں، تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ۔ آخر اس فرق کی وجہ؟

(د) عمومِ قرآن کی تخصیص:۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام عام الفاظ میں دیے گئے ہیں۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ کا ظاہری عموم مراد نہیں ہے بلکہ بعض ایسی صورتیں، جن پر قرآن کے عام حکم کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس سے مخصوص یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ	اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ۔	تم کو وصیت کرتا ہے کہ مرد کے لیے دو
(نساء - ۱۱)	عورتوں جیسا حصہ ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اولاد بہرحال اپنے ماں باپ کی وارث ہوگی خواہ ان کا کردار یا عقیدہ کیسا ہی ہو۔ لیکن حدیث بتلاتی ہے کہ کافر بیٹا اور باپ کا قاتل وارث نہیں ہو سکتا۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا	اس وصیت کے بعد جو تم کرتے ہو اور
أَوْ دَيْنٍ۔ (النساء - ۱۱)	قرض کی ادائیگی کے بعد۔

اس آیت میں وصیت کے جواز کے لیے عام حکم ملتا ہے لیکن حدیث میں ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ مال میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس طرح اصل قریبی وارث رشتہ داروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ حدیث کی یہ تخصیص و تبیین قرآن کے بیان کردہ قانونِ عدل کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے،

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ۔	اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر دو۔
(بنی اسرائیل - ۲۶)	

وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ اور جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہرے دھو لو۔

اس آیت میں وضو کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں، خواہ انسان پہلے سے باوضو ہو یا بے وضو، بظاہر ان دونوں ہی حالتوں میں اُس پر وضو فرض کیا گیا ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باوضو شخص کے لیے تجدید وضو ضروری نہیں ہے، ہاں یہ عمل مزید ثواب کا باعث بن سکتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ۔ (المائدہ-۳) تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

المیتۃ کا لفظ عام ہے ہر نوع کے مردے کو شامل ہے۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ مردہ مچھلی اور ٹڈی کو حلال ٹھہراتی ہے۔ یہ تخصیص و استثناء حدیث ہی کی بنا پر عمل میں آیا ہے۔

تیسری قسم :- سرمایۂ سنّت کی تیسری قسم وہ ہے جو قرآن سے زائد ہے اور قرآن اس بارے میں بظاہر خاموش ہے۔ سنّت سے ثابت شدہ اس طرح کے احکام کے بارے میں یہ کہنا اپنی جگہ درست ہوگا کہ ان کی کوئی نہ کوئی اصل قرآن میں ضرور پائی جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمیں اس کا علم نہ ہو سکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ابن قیمؒ۔ ج ۱ - ص ۲۱) بلکہ سنّت سے ثابت بعض احکام ایسے بھی ملتے ہیں جو قرآن کے ظاہری الفاظ کے مخالف ہوتے ہیں لیکن تعاملِ امّت بتلاتا ہے کہ کسی قابلِ ذکر گروہ یا فرقے نے ان سے اختلاف نہیں کیا ہے مثلاً

قرآن مجید نے سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے شکاری کتے کا شکار حلال ٹھہرایا ہے، (مائدہ - ۵) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کتا باقاعدہ شکار کے لیے تربیت یافتہ نہ ہو تو اس کا شکار حلال نہیں ہے۔ اب ایک صورت یہ باقی رہ جاتی ہے کہ اگر تربیت یافتہ کتا شکار میں سے کچھ کھالے تو یہ شکار حلال ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی واضح ضابطہ قرآن میں نہیں ملتا لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکار بھی حرام ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح - بحوالہ ابوداؤد)

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے مطلقاً شکار ممنوع ہے، اور جو عمداً شکار کرے اس پر جزاء واجب کی ہے، (المائدہ - ۹۶) لیکن جو احرام میں غلطی سے شکار کر ڈالے اس کی جزاء کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس سے قرآن خاموش ہے لیکن حدیث نے اس کو واضح کیا ہے کہ عمداً اور خطا دونوں صورتیں جزا کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ (النساء-۲۳) دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے۔

لیکن حدیث اسی پر اکتفار نہیں کرتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے سے روکتی ہے ــــ بظاہر اس اضافے کی کوئی بنیاد قرآن میں نہیں ملتی، لیکن اگر وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ کی علت پر غور کیا جائے تو قرآن ہی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اصل بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی دو بہنوں کو سوکنوں کی شکل میں رکھنا ان کے رشتۂ اخوت کو قطع کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔ یہی علت خالہ، بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی ممانعت میں بھی پائی جاتی ہے اس کی وضاحت خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے موقع پر فرمادی ہے۔ وانہ انکم اذا فعلتم ذالک قطعتم ارحامکم۔ اور جب تم یہ کام کرو گے تو اپنی قرابتیں کاٹ ڈالو گے۔ (نیل الاوطار کتاب النکاح بحوالہ ابن حبان۔ الموافقات شاطبی ج ۳ صـ ۱۹۲)

قرآن میں رضاعی رشتے صرف دو حرام قرار دیے گئے ہیں۔ ماں اور بہن۔ (النسآء-۱۵۲) لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی متعدد رشتے رضاعت کی بنا پر حرام ہیں۔ (مشکوٰۃ ج ۲ باب المحرمات بحوالہ صحیح بخاری)

قرآن مجید میں ایک واضح اصول کے ماتحت نواقضِ وضو کا ذکر کیا گیا ہے، سنّت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ نیند اور دُبر سے خارج شدہ ریح بھی نواقضِ وضو میں شامل ہے۔

قرآن نے خمر کو حرام ٹھہرایا ہے۔ لفظ خمر سے بظاہر شراب کی اتنی ہی مقدار کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نشہ آور ہو لیکن حدیث نے مزید بتلایا۔ ما اسکر کثیرہٗ فقلیلہا حرام۔ (مشکوٰۃ باب بیان الخمر بحوالہ ترمذی و ابو داؤد) جس مشروب کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ یہ ممانعت، اصولِ سدِّ ذریعہ کی بنیاد پر ہے۔

اب چند مثالیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث یا اجماعِ امت کی بنا پر قرآن کا ظاہر مفہوم ترک کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً وَرَبَائِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِ

کُمْ (نساء - ۲۳) تم پر وہ ربیبہ[1] لڑکیاں حرام ہیں جو تمہاری نگرانی میں پرورش پا رہی ہوں -

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ربائب بہرصورت حرام ہیں خواہ وہ زیرِ پرورش ہوں یا نہ ہوں - اس آیت میں "فی حجورکم" کی قید محض اظہارِ واقعہ کے لیے ہے - کسی قانونی پابندی کے اضافہ کے لیے نہیں ہے - (ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۴۷۲ بحوالہ بخاری، مسلم -)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا	اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں
مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ	گے تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر
يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا -	نماز میں اختصار کرو -

(نساء - ۱۰۱)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن سے خوف کی حالت ہی میں نماز قصر کی جا سکتی ہے - لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت ہو یا امن کی، دونوں صورتوں میں بحالتِ سفر قصر کی جا سکتی ہے - بلکہ بعض ائمہ کرام کے نزدیک قصر واجب ہے -

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ	اے ایمان والو! تم پر قصاص لازم
عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى	کیا گیا ہے - آزاد، آزاد کے بدلے
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ	غلام، غلام کے بدلے - عورت،
وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى - (بقرہ - ۱۷۹)	عورت کے بدلے -

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر ڈالے تو وہ مرد قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا - حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں تمام مسلمان یکساں ہیں - تتکافأ دماءھم - اس لیے عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے گا - (ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۱۰)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ	بیشک صفا، مروہ پہاڑیاں

---

[1] وہ لڑکیاں جو عورت کے پہلے خاوند سے ہوں، دوسرے خاوند کے لیے وہ ربائب کہلائیں گی

اللہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ	اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ	تو جس نے حج یا عمرہ کیا تو اس پہ
بِهِمَا ۔	کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ان دونوں
(بقرہ - ۱۵۹)	کا طواف کرے ۔

اس آیت سے بظاہر صفا اور مروہ کے طواف (سعی) کا جواز معلوم ہوتا ہے، یعنی اگر کوئی ایسا کرلے تو کسی قسم کا گناہ لازم نہ آئے گا، لیکن حدیث میں اس آیت کا جو پس منظر بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کا طواف واجب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۹ بحوالہ بخاری، مسلم)

لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى	اپنی لونڈیوں کو زنا پہ مجبور نہ کرو۔
الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا	اگر وہ عفت و پاکبازی کی زندگی
(نور - ۳۳)	گزارنا چاہتی ہوں ۔

ان اَرَدْنَ تَحَصُّنًا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ لونڈیاں عصمت و پاک دامنی کے بجائے کسی اور وجہ سے بدکاری پر آمادہ نہ ہوں تو ان کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے ۔ حدیث میں اس آیت کا جو شانِ نزول بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا کی قید اتفاقی یعنی اظہارِ واقعہ کے لیے ہے، احترازی نہیں ہے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۹)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ احادیث اپنے مطالب و مضامین کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہیں (۱) قرآن کے مترادف (ہم معنی)۔ (۲) قرآن سے زائد یعنی اس کے اجمال کی تفصیل یا عموم کی تخصیص وغیرہ۔ (۳) ایک الگ حکم کا اثبات جس سے بظاہر قرآن ساکت ہے، بلکہ بعض مواقع پر قرآن کا ظاہری مفہوم حدیث سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر قرآن سے عدم تصادم اور عدمِ مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ صرف پہلی قسم کی احادیث کو قبول کیا جائے باقی دونوں قسموں کو رد کر دیا جائے تو اس طرح کا خیال امت کے متفقہ تعامل کے یکسر خلاف ہے۔ اس متفقہ تعامل کو قرآن نے سبیل المؤمنین قرار دیا ہے اور اس سے انحراف پر

عذاب جہنّم کی شدید وعید سنائی ہے۔

اگر پہلی قسم کی احادیث ہی کو قبول کیا جائے تو یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ پہلی قسم کی احادیث تو قرآن کے ہم معنیٰ ہیں۔ ان کے قبول یا عدم قبول سے دینی معاملات میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہرحال اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسری اور تیسری قسم کی روایات کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن کا صحیح مفہوم ہی مختل اور پراگندہ ہو کر رہ جائے گا اور نئے نئے مفسرین جب سنّت سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کریں گے تو امّت کی وحدت پارہ پارہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ مذکورہ بالا شواہد و نظائر سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (باقی)

مولانا امین احسن اصلاحی

کی معرکۃ الآراء تصنیف

تزکیۂ نفس

اسلامی تصوف

یا

اسلام کا مطلوبہ تزکیہ علم و عمل سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

قیمت: قسم اوّل ـــــ چھ روپے

قسم دوم ـــــ چار روپے پچاس پیسے (محصول ڈاک علاوہ)

قسم سوم ـــــ تین روپے پچھتر پیسے

ملنے کا پتہ

مکتبہ "میثاق" رحمان پورہ - اچھرہ - لاہور - ۱۲

افاداتِ فراہیؒ

از جناب خالد مسعود صاحب

اصولِ تفسیر

(۱)

رضائے الٰہی کا حصول، عہدِ فطرت کا ایفاء، خدا کی غلامی اور اس پر دلی خوشی اور اطمینان کی کیفیت انتہائے سعادت ہے۔ اس انتہائے سعادت تک پہنچنے کا وسیلہ قرآن مجید سے فائدہ اٹھانا، اسے سیکھنا اور سکھانا، اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا ہے۔ قرآن کریم سے یہ تعلق ایمان و اسلام کی تصدیق اور مسجودِ ملائکہ فطرتِ انسانی کی تکمیل ہے۔ یہی انتہائے سعادت کی طرف بلند ترین زینہ ہے، جبکہ نچلا زینہ انسان کی صفت نطق و گویائی ہے۔ چنانچہ انسان کی قلبی و ذہنی صفات کی تکمیل اس کی صفتِ گویائی ہی کی مرہونِ منت ہے۔ انسان کی یہ صفت اگر صحیح خطوط پر ارتقا کرے تو اس کی منزل قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے اور پڑھنے والا اسی لئے بنایا ہے کہ وہ اس ہدایت کو حاصل کر سکے جس کا وعدہ اس کے رب نے اس کے ساتھ کر رکھا ہے اور کلامِ الٰہی پڑھنے کے قابل ہو سکے تاکہ خدا کے اتارے ہوئے نور سے روشنی پائے اور خدا کی نعمت اور رحمت کی اس پر تکمیل ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن ۱-۴) خدائے رحمان نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔

دیکھو، ہم نے جو کچھ اوپر کہا ہے، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کتنے اختصار کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے۔ ابتدا اپنی ذات کے ذکر سے کی کیونکہ وہی رحمت اور تعلیم کی ابتدا کرنے والا ہے۔ پھر یہ بیان کیا کہ خدا کی رحمت کی تکمیل یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تعلیم دی۔ اور اس نے تمہیں اس لئے زندگی بخشی اور بولنا سکھایا کہ تم یہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہیں سے ابن ماجہؒ کی اس روایت کی حکمت

بھی واضح ہوتی ہے کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو چونکہ خود خدا سے سیکھا اور امت کو اس کی تعلیم دی اس لئے حضورؐ بلاشک وشبہ سب سے بہتر انسان تھے۔ حضورؐ کے بعد لوگوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جنہیں حضورؐ نے تعلیم دی اور انہوں نے آگے یہ علم پھیلایا۔ علیٰ ہٰذا القیاس فرق مراتب، اسباب ووسائل کی کثرت وقلت اور خلوص نیت اور استقلال کی کمی بیشی کے مطابق دوسرے لوگوں کا درجہ ہے۔ پروردگار کی تعلیم قبول کرنے اور اس کے بندوں تک اس کو پہنچانے سے بڑی بھلائی کیا ہوسکتی ہے؟ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر خیر وبرکت کی چیز بھلا کیا ہوگی کہ وہ اس مقصود کو پالے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا؟ اگر تم یہ کہو کہ خدا نے تو انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تھا پھر وہ قرآن کے سیکھنے سکھلانے کی ترغیب کیوں دیتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہر قوم خدا ہی کی عبادت کی دعویدار ہے مگر اس کی عبادت باطل اور ضائع ہوتی ہے جب تک رب کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق نہ ہو۔ قرآن تو ہے ہی رب کی تعلیم اور ہدایت۔ اس اعتبار سے یہ عبادت کی بنیاد، اس کا محور اور عبودیت کا مغز اور جوہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تلاوت عبادت قرار پائی ہے۔

فریضہ تدبر قرآن قرآن مجید سے استفادہ کا دارومدار اس کے سمجھنے پر ہے۔ کوئی بھی کلام اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک کہ اس کے اجزاء اور ان کی ترکیب کو نہ سمجھا جائے۔ یہ کام بڑا غور وفکر چاہتا ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں نے جب آیاتِ اللہ میں غور وفکر ترک کردیا تو سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دینے لگ گئے۔ حقیقت کتنی تکلیف دہ ہے کہ اہل حق کے ہاں حق وباطل مشتبہ ہوجائیں اور ان کے اندر حق کی بجائے باطل کی عصبیت پیدا ہوجائے۔ قرآن مجید میں تدبر وتفکر کے فریضہ کا کئی آیات میں احساس دلایا گیا ہے بعض آیات میں تدبر وفکر کے مواقع تو بتادئے گئے ہیں مگر تدبر کے بعد ان سے جو حقیقت کھلتی ہے وہ بیان نہیں کی گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم دینے پر بھی مامور تھے چنانچہ حضورؐ نے اس کی تعلیم بھی دی اس کا شوق بھی دلایا اور اس کے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی۔ حضورؐ کا دستور یہ تھا کہ کبھی کبھی صحابہؓ کرام کے سامنے کوئی مسئلہ پیش فرما دیتے تاکہ اس سے وہ خود استفادہ کریں۔ مثلاً ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ درختوں میں وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور

وہ مسلمان سے مشابہت رکھتا ہے۔ لوگ صحرا کے درختوں پر سوچنے لگے۔ عبداللہؓ کہتے ہیں۔ کہ میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال گزرا۔ پھر لوگوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپ ہی ارشاد فرمائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "یہ کھجور کا درخت ہے۔"

حضورؐ نے سوال کرنے سے بھی منع فرمایا تھا۔ منع سوال کا مقصد دوسرے مصالح کے علاوہ یہ تھا کہ لوگ خود بھی عقل اور سمجھ کو استعمال کریں۔ صحیح بخاری باب العلم میں حضرت ثابت بن انسؓ سے روایت ہے کہ

"ہمیں قرآن کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے سے روکا گیا تھا۔ ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی کہ اہل بادیہ میں سے کوئی عقلمند آدمی آکر حضورؐ سے سوال کرے۔ ہم ایسے شخص کی بات آخر تک سنتے تھے۔"

یہاں حضرت ثابتؓ کا منع سوال سے اشارہ آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (اے ایمان والو، ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں) کی طرف ہے اور عقل مند آدمی کہنے سے ان کی مراد شاید یہ ہے کہ وہ کسی اہم اور مفید معاملہ میں سوال کرتا۔

صحابہؓ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی مجلسوں میں قرآن مجید کے معانی کے بارے میں سوال کرتے اور ان پر سوچا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا کہ سورہ نصر میں کس بات کا اشارہ ہے۔ مجلس میں جتنے بڑے لوگ تھے ان میں سے کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی رائے ظاہر کی جس کی حضرت عمرؓ نے تصدیق کی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کے اندر فہم قرآن اور تفقہ فی الدین کا شوق دیکھا تو ان پر زیادہ عنایت کرنے لگے۔

علمِ اصولِ تاویل کی تدوین کی ضرورت

جہاں تک تاویل قرآن کو ایک الگ علم قرار دینے کا تعلق ہے، ہمارے علماء نے اسے صرف فقہ تک محدود رکھا ہے اس سے دین سیکھنے کے مقصد کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اس علم پر اس طرح کا کام نہ ہوسکا جو ایک مستقل فن کے لئے ہونا چاہیئے تھا۔ پھر چونکہ اس کا استعمال ایک محدود دائرہ میں ہوتا رہا اس لئے اس میں وہ احتیاط بھی نہ ہوسکی جو اصول دین کے لئے کی جاتی ہے۔ یہ بات مخفی نہیں کہ دین کے اہم مقاصد نفس کی

سربلندی، عقلوں کی تربیت اور ظاہری اعمال یعنی اخلاق، عقائد اور شرائع کی اصلاح ہیں۔ قرآن مجید نے ان سب کی طرف نہایت احسن طریقہ سے رہنمائی فرمائی ہے۔ یہ سب اجزاء باہمدگر ملے ہوئے ہیں اور ان کے جمع ہونے پر ان کی غایت، اور مطلوب تزکیہ، حاصل ہوتا ہے۔ انہی تینوں کی بنا پر تین علوم پیدا ہوئے۔ علم اخلاق و مواعظ، علم کلام اور علم فقہ۔ علم تاویل کو اگر فقہ تک ہی محدود رکھا جائے تو علم اخلاق اور علم کلام اس کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے اخلاق و عقائد وغیرہ کی بحثوں میں اپنی رکیک تاویلات تک کے لئے بھی قرآن کو استعمال کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کو نہ صرف فقہ بلکہ پورے علم دین کی اصل قرار دیا جائے اور فن تاویل کو اس طرح مدون کیا جائے کہ اسے ہر وہ شخص استعمال کر سکے جو قرآن ہی سے کوئی سا علم بھی حاصل کرنا چاہتا ہو۔

علمِ نظام اوپر کی بحث سے دین کے نظام میں اور انسان کی اصلاح میں قرآن کی تعلیم و تعلم کا جو مقام ہے بخوبی معلوم ہو چکا ہے اب اس بات پر غور کرو کہ سمجھے بغیر قرآن کا سیکھنا کیا ممکن ہے؟ کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ متکلم نے جس مقصد کے لئے اپنے کلام اور اسلوبِ بیان کو ذریعہ بنایا ہے، تم اس مقصد سے واقف ہو سکو گے جب تک تمہیں کلام کے مختلف حصوں کا اجمالی طور پر تعلق معلوم نہ ہو، اس کی مشکلات کا اندازہ تمہیں نہ ہو اور ربطِ کلام کے صحیح پہلوؤں کو تم الگ الگ نہ کر لو؟ ایک جملہ دوسرے جملے سے کئی اعتبار سے مربوط سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے موقعوں پر جو شخص جملوں کے ربط کا صحیح پہلو نہیں سمجھ سکتا یا اس کی تعیین میں غلطی کر دیتا ہے۔ تو وہ اصل مفہوم کو کھو بیٹھتا ہے اور کلام میں جو علم و حکمت پائی جاتی ہے، اس سے وہ مطلع نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ تم کلام کے مختلف حصوں کا تعلق جانے بغیر کلام کو سمجھ لوگے کیونکہ جب تم اس کے ایک طویل حصہ پر غور کرو گے تو اس کا کچھ مفہوم ذہن سے اتر جائے گا۔ پھر جب ایک حصے کے اجزاء کا تعلق سمجھنا چاہو گے تو دوسری طرف کے بعض پہلو نظر انداز ہو جائیں گے۔ اس طرح اجزائے کلام کی جتنی نسبتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی، اس کے بقدر تم کلام کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اگر یہ نسبتیں تم سمجھ جاؤ اور دیکھ لو کہ وہ عبارت بالکل مربوط کلام ہے جو ایک ہی عمود رکھتی ہے، تو اس کا حسن بیان تم پر ظاہر ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معرفت نظام ہی تدبر قرآن کی کنجی ہے۔

دین میں علمِ نظام کی اہمیت جو لوگ علمِ نظام کی ضرورت کے قائل نہیں، ان کا ایک خطرناک گمان یہ ہے کہ علمِ نظام اپنی مشکلات، دشواریوں اور غلطی کے امکانات کی

وجہ سے مہماتِ دین میں سے نہیں، اس لئے ہمیں زیادہ اہم اور زیادہ نافع چیزوں ہی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے کیونکہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کے لئے مفید نہیں) ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ نظم کلام کے لطیف نکات تلاش کرنا اور بلاغت کے پہلوؤں کا استنباط کرنا فرصت کا کام ہے۔ جو شخص اس علم کو مہماتِ علوم میں شمار کرے اور طلبہ کو اس پر آمادہ کرے، وہ انہیں ایک واجب سے ہٹا کر دوسری طرف لگاتا ہے اور اس طرح نظامِ تعلیم میں دخل اندازی کرتا ہے۔ بے شبہ ہم نے بعض ایسے لوگوں سے بھی سنا ہے جو نظم قرآن کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن اس لئے نازل ہوا کہ ہم اس پر عمل کریں اور اس کے نور سے ہدایت حاصل کریں۔ یہ اس لئے نہیں آیا کہ ہم اس کے لطائف اور اس کی بلاغت کے نکات تلاش کرنے کے درپے ہوں۔ تم نے دیکھا کہ باطل اپنا کام کرنے سے غافل نہیں ہوتا اور لوگوں تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرنا اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ اس کا اگر ایک راستہ بند کرو گے تو دوسری جانب سے آدھمکے گا۔ اللہ کی توفیق سے میں اس شبہ کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ اعتراض کرنیوالے ہماری بات نہیں سمجھتے۔ بلاغت کے نکات اور اعجاز کے پہلو تلاش کرنا ہمارے نزدیک نہ مقصود بالذات ہے اور نہ ہی اصل غایت ہے۔ بلکہ نظامِ کلام کا جاننا اور آیات کے مفہوم کے ربط کا تلاش کرنا بھی ہمارا مطلوب نہیں۔ یہ تمام چیزیں اسباب ہیں مقصود قرآن کے بیان کا مفہوم سمجھنا ہے۔ علم نظم اسی تدبر کا ایک وسیلہ ہے کیا اب بھی تم یہی گمان رکھو گے کہ تم اس سے مستغنی ہو اور نہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکمت، نور اور شفا کے سرچشموں کے جاننے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کرو، جن کا قول یہ ہے کہ خدا کے اوامر و نواہی جاننے کیلئے ہمارے لئے فقہ کی کتابیں کافی ہیں اور قرآن کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ظاہری احکام عقائد اور نیتوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور عقائد اور نیتیں باطن اخلاق سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح افراد کی درستی کا دار و مدار جماعت کی درستی پر ہے اور جماعت کی درستی کے لئے حکمت و تدبیر کے بعد مخفی اصول درکار ہوتے ہیں۔ جب تک تمام کام ٹھیک ہوتے رہیں جیسے صحت کی حالت میں طبیعت رواں ہوتی ہے، اس وقت تک اخلاق و دینات کی درستی اور اصلاح کے اصولوں کی حاجت بہت کم ہوتی ہے لیکن جب فساد غالب آجائے، عقائد خراب ہو جائیں، دل بگڑ جائیں، ملت کا نظام منتشر ہو جائے، شریعت کا نظم پارہ پارہ ہو جائے اور بدعت و ہوائے نفس کی حجت غالب آنے

لگے، اس وقت ہمیں اس بات کی شدید حاجت ہوتی ہے۔ کہ خدائی حکمت معلوم کریں، شفا کا راستہ جانیں اور دینی اختلافات کے فتنوں سے بچنے کی راہ تلاش کریں۔ یہ حکمت اور ہدایت قرآن حکیم سے حاصل ہو سکتی ہے، جسے خود خدا نے نور اور شفا کا نام دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی حکمت سے کیا ایک ایسا آدمی واقف ہو سکتا ہے جو ہوا کے ایک جھونکے یا ایک سواری کی سرعت کے ساتھ قرآن کے پاس سے نکل جائے؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آیات میں تفکر و تدبر کا حکم کیوں دیا تھا؟ اگر آیات میں معارف کے خزائن پوشیدہ نہ تھے تو تفکر و تدبر کا فائدہ کیا تھا؟ اگر تمہارا گمان یہ ہو کہ قرآن مجید کے معارف مکمل طور پر اس کی آیات میں بیان ہو گئے ہیں، چاہے کوئی نظم کو سمجھے یا نہ سمجھے جملوں کے تضمنات سے واقف ہو سکتا ہے۔ جس طرح اصل قیمت جواہر کی ہوتی ہے، انہیں ایک لڑی میں پرونا ضروری نہیں تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ گمان اس لئے پیدا ہوا کہ تم یہ سمجھتے نہیں کہ ہر مرکب میں ترکیب اور نظم کی اہمیت ہوتی کیا ہے۔ اور قرآن میں یہ چیز کتنی ضروری ہے۔ اب ہم خدا کی توفیق سے اس پر گفتگو کرتے ہیں۔

معرفت نظام کی ضرورت

۱۔ اپنے اردگرد اور اوپر نیچے کی موجودات پر نگاہ دوڑاؤ۔ تم دیکھو گے کہ یہ نفع بخشی اور تمتع کے لئے ترکیب دی گئی ہیں۔ ان کے منافع ومحاسن کا بڑا حصہ ترکیب ہی میں پوشیدہ ہے۔ اگر چاہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ ہر شے کی اصل ماہیت اور اس کے وجود کی حقیقت ترکیب ہی ہے۔ اس کی ترکیب ختم کر دو تو کچھ باقی نہ رہے۔ اسی لئے صنعت وکمال کا راز بھی درست ترکیب ہی میں پنہاں ہے اور ترکیب کی مضبوطی یا کمزوری ہی کی بنا پر بنانے والے کی مدح وذم کی جاتی ہے۔ اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس کی ترکیب پر ہوتا ہے۔ گویا ترکیب ہی ہر چیز کی بنیاد ہے اور یہ حقیقت اہلِ عقل سے پوشیدہ نہیں۔

اب کلام میں ترکیب کی اہمیت پر غور کرو۔ کلام کے تمام حصے آپس میں متعلق ہوتے ہیں اور ترکیب ہی کے بعد وہ معنی بنتے ہیں۔ ان کی صورت ترکیبی ہی کلام کے معنی متعین کرتی ہے کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ ایک خاص لفظ میں جب حروف ایک خاص ترتیب سے آتے ہیں تو اس میں معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک جملہ میں کلمات کی ترتیب کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں بھی جملہ کے معانی کلمات کی ترتیب سے متعین ہوتے ہیں پھر مختلف جملوں کی ترکیب ہی کے نتیجہ میں ایک عمدہ کلام، ایک پسندیدہ گفتگو اور ایک حکیمانہ بحث پیدا ہوتی ہے، جو علم و فضل اور فصاحت و بلاغت پر مشتمل ہوتی ہے پس اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام میں خوبی اس کے نظام ہی سے پیدا

ہوتی ہے اور بلاغت کے لحاظ سے وہ اگر اونچا ہوتا ہے تو اپنے اجزاء کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے نظم و ترتیب کی بنا پر اونچا ہوتا ہے۔ لہذا کوئی شخص اگر کلام کے حسن بیان، قوت استدلال، اس کی تاثیر اور اس کی پوشیدہ حکمت سے واقف ہونا چاہیئے تو اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ اس کے جملوں کی ترکیب کو سمجھے۔

اگر تمہیں ہمارے اس بیان پر اب بھی شک ہو یا تم مزید اطمینان یا وضاحت چاہو تو ایک فصیح و بلیغ خطبہ لو جس میں ترغیب و ترہیب ہو، حکمت ہو، امثال ہوں، حجت و استدلال ہو۔ اب اس خطبہ کا نظام درہم برہم کر دو اور جملوں کو مطالب کی رعایت کئے بغیر آگے پیچھے کر دو۔ اب دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ اس کے دعویٰ و دلیل کا تعلق، اس کی مقدمات سے مقاصد تک تدریج، ضروری مقامات پر وضاحت، اس کا حسن بیان، کمال بلاغت، اس کے مطالب، فوائد، حل شبہات اور تاریخی، اخلاقی اور حکیمانہ معارف کا بیان کس طرح ناپید ہو جاتا ہے۔ نظام ختم ہونے پر اس حکیمانہ خطبہ کی حیثیت ہذیان کی سی ہو جاتی ہے۔

۲۔ عام باتیں مرتب ہو کر اعلیٰ حقیقتوں تک پہنچاتی ہیں۔ نظم کلام ہی ہے جو ان اعلیٰ حقیقتوں اور حکمتوں تک رہنمائی کرتا ہے۔ یہی اعلیٰ حقیقتیں اصل غایت ہوتی ہیں۔ جو شخص نظم کو نہیں سمجھتا وہ ان حقائق، حکمتوں اور غایتوں سے بے خبر رہتا ہے چنانچہ ایسے شخص کا حصہ اعتقاد و عمل میں کم رہ جاتا ہے۔ صحیح عقاید کی آدمی کو خبر نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ وہ پروردگار کے بارے میں سوء ظن میں مبتلا ہو جائے اور اس کے ساتھ اس کی صحیح نسبت قائم نہ رہے۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور یہ عقاید ہی سے پھوٹتے ہیں، اس لئے ان کی حکمتوں اور غایتوں سے کم علمی آدمی کے لیے ان کی قرار واقعی بجا آوری کا دروازہ بند کر دے سکتی ہے مثلاً نماز میں ذکر کا فقدان یا زکوٰۃ میں تقویٰ کا فقدان ہو جاتے بعض اوقات یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ آدمی بالکلیہ ہی بعض اعمال کو ترک کر دے، جیسے بہت سے لوگوں سے اعمال حج کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ جس طرح قدردان اور علیم ہے اسی طرح بخشنے والا اور علم والا بھی ہے مگر جاننے والے اور نہ جاننے والے کیا برابر ہو سکتے ہیں؟

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے جس طرح احکام کی تعلیم کے لئے بھیجا اسی طرح حکمت کی تعلیم کے لئے بھی مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو حکمت ہی کے ساتھ مربوط فرمایا اور اسے 'خیر کثیر' کا نام دیا ہے۔ جو شخص اس حکمت سے غافل ہو جاتا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد، اپنے دین کی تکمیل اور اپنے نبی کی تعلیم کو نظر انداز کرتا ہے، وہ حضورؐ کا قرار واقعی اتباع نہیں کرتا۔ اگرچہ ضروری نہیں کہ انسان غایت مطلوب کو پہنچ جائے مگر ہماری طرف سے اس کی کوشش لازم ہے۔ انسان کی کوشش کے مطابق ہی اللہ تعالےٰ

اپنا فضل اسے عطا کرتا ہے۔

۴۔ تاویل قرآن میں ہمارے ہاں بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہمارے عقائد مختلف ہوئے اور ہمارے دلوں کی اُلفت ختم ہوئی، یہ نظم کی خاصیت ہے کہ وہ تمام امور کو ایک وحدت کی طرف پھیرتا ہے اور مفہوم کے اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور ہر سورہ کا مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے اور سب کے منہ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ — ایک بار آور درخت کے مانند جس کی جڑ زمین کے اندر دھنسی ہوئی اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ — اور سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور منتشر نہ ہو۔

لیکن جب صورت اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے اور لوگوں نے اس حبل اللہ المتین کو جس کی تعریف یہ ہے کہ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ — جس کے اندر باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہوتا ہے نہ اس کے پیچھے سے۔

ٹکڑے ٹکڑے سمجھ رکھا ہے تو اس اختلاف سے نجات کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ حالت یہ ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کو اس کی صحیح سمت سے ہٹا کر جس وادی میں چاہتا ہے اس کو گھسیٹتے پھرتا ہے۔ ایسی حالت میں نظم کلام ہی کلام کے صحیح سمت کو متعین کرنے والی واحد چیز ہو سکتی ہے، اسی سے اہل بدعت وضلالت اور اصحاب تحریف کی کجرویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور خدا کا کلام ان کی غلط تاویلوں اور تحریفوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۵۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کی سب سے افضل اور پائندہ تر، مضبوط تر ین اور واضح ترین دلیل خود قرآن مجید ہے۔ ہم یہ بات بالبداہت جانتے ہیں کہ حسن ترتیب ایک بلیغ کلام کی سب سے بڑی خوبی ہے ہم اعجاز قرآن پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ پس کیا ہم یہ پسند کریں گے کہ قرآن کو حسن ترتیب سے عاری قرار دیں؟ ہم اس کے معانی کے ربط اور اس کے لوازم میں غور و فکر کرنے کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہم کسی بھی عقلمند و پختہ کار آدمی کے کلام کو ترتیب سے عاری کر کے خوش نہیں ہو سکتے؟ کتنی دفعہ ایسا

ہوتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ خطیب جو حسن بیان سے لوگوں کو فریفتہ کر لیتا ہے، کی قدر تمہارے دل سے اس لئے اٹھ جاتی ہے کہ اس نے ربطِ کلام سے غفلت برتی اور ایک وادی سے دوسری وادی میں بھٹکنے لگ گیا۔ وہ چاہے اپنے خطاب کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینے کے لئے معذور ہو مگر یہ ردِ عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ایک بلیغ کلام سوءِ ترتیب کو برداشت ہرگز نہیں کرتا۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو اعجاز قرآن پر ایمان رکھنے والے آدمی کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ قرآن میں حسنِ نظم اور اس کی ترتیب کی پختگی کو ثابت کرے۔

امام رازی تفسیر سورہ انعام میں آیت وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا کے تحت اس کے سبب نزول کی مختلف روایات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"مجھے یہاں ایک سخت اشکال پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ پوری سورہ بیک وقت نازل ہوئی تھی۔ اگر صورت معاملہ یہ ہے تو پھر ہر آیت کے بارہ میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا سبب نزول فلاں واقعہ ہے۔"

اس مشکل کا ذکر زیادہ وضاحت کے ساتھ انہوں نے سورہ حٰم سجدہ کی آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا .... (الآیہ) کے تحت کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اس آیت کے شانِ نزول کے بارہ میں یہ روایت ہے کہ کفار نے ازراہ شرارت کہا کہ قرآن مجید کسی عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو یہ آیت اتری میرے نزدیک اس طرح کی باتوں سے قرآن مجید پر سخت اعتراض لازم آتا ہے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن میں باہم کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چیز قرآن مجید پر ایک بڑے اعتراض کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس اعتراض کے ہوتے ہوئے قرآن کو ایک معجزہ ثابت کرنا تو الگ رہا ہم اس کے ایک منظم کتاب ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک بالکل مسلسل کلام ہے۔"

اس کے بعد سورہ کے مضمون پر اجمالاً گفتگو کرکے فرماتے ہیں:۔

اپنا فضل اسے عطا کرتا ہے۔

۴۔ تاویل قرآن میں ہمارے ہاں بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہمارے عقائد مختلف ہوئے اور ہمارے دلوں کی اُلفت ختم ہوئی، یہ نظم کی مناسبت ہے کہ وہ تمام امور کو ایک وحدت کی طرف پھیرتا ہے اور مفہوم کے اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور ہر سورہ کا مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے اور سب کے منہ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ — ایک بارآور درخت کے مانند جس کی جڑ زمین کے اندر دھنسی ہوئی اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ — اور سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور منتشر نہ ہو۔

لیکن جب صورت اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے اور لوگوں نے اس حبل اللہ المتین کو جس کی تعریف یہ ہے کہ

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ — جس کے اندر باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہوتا ہے نہ اس کے پیچھے سے۔

ٹکڑے ٹکڑے سمجھ رکھا ہے تو اس اختلاف سے نجات کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ حالت یہ ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کو اس کی صحیح سمت سے ہٹا کر جس وادی میں چاہتا ہے اس کو گھسیٹتے پھرتا ہے۔ ایسی حالت میں نظم کلام ہی کلام کے صحیح سمت کو متعین کرنے والی واحد چیز ہو سکتی ہے، اسی سے اہل بدعت و ضلالت اور اصحاب تحریف کی کجرویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور خدا کا کلام ان کی غلط تاویلوں اور تحریفوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۵۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے افضل اور پائندہ تر، مضبوط ترین اور واضح ترین دلیل خود قرآن مجید ہے۔ ہم یہ بات بالبداہت جانتے ہیں کہ حسن ترتیب ایک بلیغ کلام کی سب سے بڑی خوبی ہے ہم اعجاز قرآن پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ پس کیا ہم یہ پسند کریں گے کہ قرآن کو حسن ترتیب سے عاری قرار دیں؟ ہم اس کے معانی کے ربط اور اس کے لوازم میں غور و فکر کرنے کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہم کسی بھی عقلمند و پختہ کار آدمی کے کلام کو ترتیب سے عاری کر کے خوش نہیں ہو سکتے؟ کتنی دفعہ ایسا

ہوتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ خطیب جو حسن بیان سے لوگوں کو فریفتہ کر لیتا ہے کی قدر تمہارے دل سے اس لئے اٹھ جاتی ہے کہ اس نے ربط کلام سے غفلت برتی اور ایک وادی سے دوسری وادی میں بھٹکنے لگ گیا۔ وہ چاہے اپنے خطاب کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینے کے لئے معذور ہو مگر یہ ردِ عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ایک بلیغ کلام سوءِ ترتیب کو برداشت ہرگز نہیں کرتا۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو اعجاز قرآن پر ایمان رکھنے والے آدمی کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ قرآن میں حسن نظم اور اس کی ترتیب کی پختگی کو ثابت کرے۔

امام رازی تفسیر سورہ انعام میں آیت وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا کے تحت اس کے سبب نزول کی مختلف روایات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"مجھے یہاں ایک سخت اشکال پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ پوری سورہ یک وقت نازل ہوئی تھی۔ اگر صورت معاملہ یہ ہے تو پھر ہر آیت کے بارہ میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا سبب نزول فلاں واقعہ ہے"

اس مشکل کا ذکر زیادہ وضاحت کے ساتھ انہوں نے سورہ حٰمٓ سجدہ کی آیت وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا .... (الآیہ) کے تحت کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اس آیت کے شانِ نزول کے بارہ میں یہ روایت ہے کہ کفار نے از راہ شرارت کہا کہ قرآن مجید کسی عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو یہ آیت اتری میرے نزدیک اس طرح کی باتوں سے قرآن مجید پر سخت اعتراض لازم آتا ہے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن میں باہم کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چیز قرآن مجید پر ایک بڑے اعتراض کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس اعتراض کے ہوتے ہوئے قرآن کو ایک معجزہ ثابت کرنا تو الگ رہا ہم اس کے ایک منظم کتاب ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک بالکل مسلسل کلام ہے"۔

اس کے بعد سورہ کے مضمون پر اجمالاً گفتگو کر کے فرماتے ہیں:۔

"ہر شخص جس میں انصاف ہوگا وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر آیت کی یہ تفسیر کی جائے جو ہم نے کی ہے تو یہ سورہ شروع سے لیکر آخر تک ایسے منظم کلام کی صورت میں ڈھل جاتی ہے جس میں ایک خاص موضوع پیش نظر رکھا گیا ہو۔ اور یقیناً یہ تفسیر اس تفسیر سے کہیں بہتر ہوگی۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں"

مولانا امین احسن اصلاحی

کی

تفسیر

تدبر قرآن

(تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ)

جس کے مطالعہ سے

- قرآن مجید میں غور و فکر کا شوق پیدا ہوتا ہے -
- آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ کی حقیقت و اہمیت واضح ہوتی ہے -

اور

- قرآن فہمی کی راہیں کھلتی ہیں -

قیمت: ۷۵ پیسے (علاوہ محصولڈاک)

ملنے کا پتہ

مکتبہ میثاق رحمان پورہ - اچھرہ - لاہور ۔ ۱۲

اقتباسات و تراجم
جناب خالد مسعود صاحب

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

بیسویں صدی سائنس کی فتحمندیوں کی صدی ہے۔ انسان نے اس صدی میں مادی اعتبار سے اتنی کامیابی حاصل کی ہے جس کی مثال پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ مصر، یونان اور روما کی ترقی عظیم الشان رہی ہوگی، لیکن ہمارے زمانے میں انسان نے قدرت کی اس قدر طاقتیں مسخر کی ہیں کہ گزشتہ اقوام کی ترقیاں اس تسخیر کے سامنے حقیر معلوم ہوتی ہیں۔ انہی حیرت انگیز کامیابیوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے سائنٹسٹ اپنے آپ کو خدائی کائنات کا رازدان سمجھنے لگے ہیں۔ ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ آج کے انسان نے قدرت کے پوشیدہ کارخانوں کا بھی کھوج لگا لیا ہے۔ اس غلط فہمی میں سائنسدان تو مبتلا نہیں اس وجہ سے کہ ان کے ذوق جستجو کو مہمیز ملتی ہی اس خیال سے ہے کہ کائنات لامحدود ہے اور انسان کا علم ابھی اتنا نہیں کہ اس کا احاطہ کر سکے اور انسان اگر کسی وقت مطمئن ہو کے بیٹھ رہے تو قدرت کے خزانے دبے کے دبے رہ جائیں گے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا وہی لوگ ہیں جو سائنس کے کرشموں سے مرعوب ہیں۔ جن کے نزدیک خلا بازوں کا کرۂ زمین کے گرد گردش کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں کسی خدا کی خدائی نہیں چلتی۔ اگر کوئی خدا موجود ہوتا تو خلائی مسافروں کا رستہ روک لیتا۔ ان لوگوں میں سے بیشتر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ سائنس نے فطرت کے اسرار سے پردہ اٹھا دیا ہے اور اب لوگوں کے لئے اہل مذہب سے کچھ حاصل کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

سائنس سے مرعوبیت کا یہ مقام محض ایک نادانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی یہ کائنات ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ موجودہ دور کی سائنس نے یا بحیثیت مجموعی انسان نے اس کا کھوج لگا کر جتنا علم حاصل کیا ہے، اس کی حیثیت وہی ہے جو سمندر کے مقابل میں ایک قطرے کی ہوتی ہے۔ سائنس کے انکشافات اگر سو گنا زیادہ بھی ہو جائیں، جب بھی یہ دعویٰ کہ کائنات کا معمہ حل کر دیا گیا ہے

اسی طرح مضحکہ خیز ہو گا۔ جیسا یہ اب ہے انسان کی اس تہی دامنی پہ اصرار صرف مذہب ہی کو نہیں بلکہ سائنس کے انکشافات خود اس پر شاہد ہیں۔

آسمانوں کی بات تو خیر دور کی ہے، انسان سے سب سے زیادہ اگر کوئی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین سے بخوبی واقف ہو گا۔ لیکن حقیقت اس سے کوسوں دور ہے۔ زمین کے متعلق بھی انسان کا علم اتنا ہی محدود ہے جتنا دوسری کائنات کے متعلق ہے اور اس کا ثبوت جدید تحقیقات نے بہم پہنچایا ہے۔ عالمی ارضی طبیعیاتی سال کی تحقیقات کے نتائج سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انسان اب تک جسے اپنی منزل سمجھے ہوئے تھا نہ صرف یہ کہ وہ اس کی منزل نہیں تھی بلکہ وہاں سے منزل کا راستہ بھی نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔

آج سے پانچ سال پہلے اقوام متحدہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۹۵۷ء کو سائنس کی تحقیقات کا سال قرار دیا جائے۔ اور کرہ ارض کے بارے میں اس سال میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جائیں۔ اس سال سے عام طور پر لوگ عالمی ارضی طبیعیاتی سال کے نام سے واقف ہیں۔ ان تحقیقات میں حصہ لینے کے لئے ۶۶ اقوام تیار ہو گئیں اور کرۂ زمین کے تمام گوشے تجربات کے لئے مخصوص کر لئے گئے۔ ان مقامات کی تعداد، جہاں تجربات کئے گئے، چار ہزار ہے۔ اس تحقیقاتی منصوبہ کے تحت آباد و غیر آباد زمین، کہسار و ریگ زار، قطبین اور دور دراز جزائر، سمندر اور فضا غرضکہ ہر ضروری مقام پر تجربات ہوئے اور جدید ترین آلات استعمال میں لائے گئے۔ اس منصوبہ کی تحقیقات کے پورے نتائج مرتب کرنے میں تو سائنس والوں کو مزید کئی سال درکار ہوں گے۔ لیکن جو دلچسپ معلومات اس سلسلہ میں سامنے آئی ہیں، ان کا مختصر سا خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

قطب جنوبی کے اردگرد کا علاقہ انٹارکٹیکا کہلاتا ہے۔ اب تک سیاحوں نے اور جغرافیہ دانوں نے اس سرزمین کے جو نقشے تیار کئے تھے، جدید تحقیقات نے انہیں بالکل غلط ثابت کیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اب تک جس چیز کو انٹارکٹیکا کی زمین سمجھا جاتا رہا ہے، وہ در اصل زمین نہ تھی بلکہ محض برفانی سمندر تھا۔ قطب جنوبی کی اصل سرزمین جغرافیہ دانوں کی بتائی ہوئی حدود کی نسبت بہت مختصر ہے۔ انٹارکٹیکا کی برف کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ دنیا بھر کی برف کا نوے ۹۰ فیصد ہے۔ سردی کے موسم میں جب سورج نظر نہ آنے کی وجہ سے یہ براعظم تاریک ہوتا ہے اس وقت قریب قریب

روشن علاقوں کی نسبت یہاں کا درجہ حرارت ۹۰ درجے کم ہوتا ہے۔ اندرون ملک کی سطح مرتفع کا درجہ حرارت اس موسم میں منفی ۱۲۵ درجے ہوتا ہے اس شدید سردی کی وجہ سے دوسرے علاقوں اور قطب جنوبی کے درمیان ہوا کے دباؤ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ یہاں دوسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان چلتے ہیں۔

اب تک انسان سطح سمندر پر چلنے والی سرد اور گرم رووں سے واقف تھا، جن کا پانی سمندر میں اسی طرح بہتا ہے جس طرح خشکی پر دریا بہتے ہیں۔ عالمی ارضی طبیعیاتی سال کی تحقیقات سے ان رووں کے مخالف سمت میں چلنے والی رووں کا انکشاف ہوا ہے۔ یہ رویں سطح سمندر سے آدھ آدھ میل نیچے چلتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی کراموپل رو ہے جو بحر اوقیانوس میں مغرب سے مشرق کو خط استوا کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ یہ رو ۲۰۰ میل چوڑی اور ساڑھے تین ہزار میل لمبی ہے اور امریکہ کے سب سے بڑے دریا مسسی پی کی نسبت ہزار گنا زیادہ پانی لے جاتی ہے۔

جدید تحقیقات کے نتیجہ میں انسان ایک نئی دولت سے بھی واقف ہوا ہے۔ یہ دولت سمندروں کی تہ میں بکھرے ہوئے ایک کارآمد دھات مینگنیز کے گولے ہیں۔

بظاہر مضبوط علاقے ان تحقیقات کے بعد خطرے میں محسوس ہونے لگے ہیں۔ مثلاً جزائر ہوائی کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ چار انچ یومیہ کے حساب سے حرکت کر رہے ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کی یہ حرکت ان کی غرقابی کا باعث بن جائے۔ کیلی فورنیا، جو اس وقت شمالی امریکہ کا ایک حصہ ہے، امریکہ سے کٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خلیج کیلی فورنیا اور بحیرہ احمر میں نئی زمین ظاہر ہو رہی ہے۔

سمندروں کے متعلق اب تک انسان جتنا کچھ جانتا تھا، نئی تحقیقات کے بعد وہ بالکل ہیچ معلوم ہونے لگا ہے۔ جدید معلومات کے مطابق بحر اوقیانوس کی تہ سلسلہ ہائے کوہ سے بھری ہوئی ہے۔ ایک سلسلہ کوہ جو شمالاً جنوباً واقع ہے، تین سو سے بارہ سو میل تک چوڑا ہے۔ جزائر آئس لینڈ اور جزائر ازورس دراصل اسی پہاڑ کی چوٹیاں ہیں جو سطح آب کے اوپر ابھر آئی ہیں۔ ان پہاڑوں میں بعض حصے آتش فشاں ہیں۔ ان کی آتش فشانی کا منظر سطح آب پر کے بلبلے اور جزائر کے گرم آبی چشمے ہیں۔ ان غرقاب پہاڑوں کی سطح کہیں کہیں پھٹی ہوئی ہے اور یہ شگاف بعض اوقات تیس تیس میل چوڑے

ہیں۔ سلسلہ کوہ کے دامن میں سطح آب سے تقریباً تین میل نیچے ایک ہموار میدان ہے۔ جس میں کہیں کہیں چوٹیاں ابھری ہوئی ہیں۔

سطح سمندر کے نیچے کے جس سے بڑے سلسلہ کوہ سے سائنسدان واقف ہوئے ہیں وہ ایک چالیس ہزار میل لمبا پہاڑ ہے جو کرۂ ارض کا حلقہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی چوٹیاں بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے ہزاروں جزائر کی صورت میں نظر آتی ہیں۔

بحر الکاہل کی تہ میں بحر اوقیانوس کی نسبت ہموار علاقہ زیادہ پایا گیا ہے۔ اس میں چار دراڑیں ہیں جو شرقاً غرباً سطح زمین کے ۵ فی صد حصہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ دراڑیں تیس تیس میل چوڑی، تینتیس سو میل لمبی اور ساڑھے دس ہزار فٹ گہری ہیں۔ اسی طرح جنوبی بحر الکاہل میں کئی کھائیاں ہیں۔ جن میں سے بڑی کھائی ۱۴۰۰ میل لمبی اور ۲۵۰۰۰ فٹ گہری ہے۔

ایک عجیب وغریب انکشاف یہ ہوا ہے کہ بحر الکاہل کا فرش گھڑی کی سوئیوں کے مخالف سمت میں گردش کر رہا ہے۔ کرۂ ارض پر اس گردش کے نتائج کیا مرتب ہوتے ہیں؟ یہ سوال ابھی زیر مطالعہ ہے۔

عالمی ارضی طبیعیاتی سال میں حاصل شدہ معلومات کی یہ ایک معمولی مثال ہے۔ لیکن یہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ انسان کا علم حد درجہ محدود ہے۔ وہ اپنے آپ کو فطرت کا جتنا بڑا رازدان بھی سمجھتا رہے مگر حق بات یہی ہے کہ رب کے پیدا کئے ہوئے لشکروں کو سب سے زیادہ جاننے والا خود پروردگار ہی ہے۔ کوئی مخلوق اس کائنات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

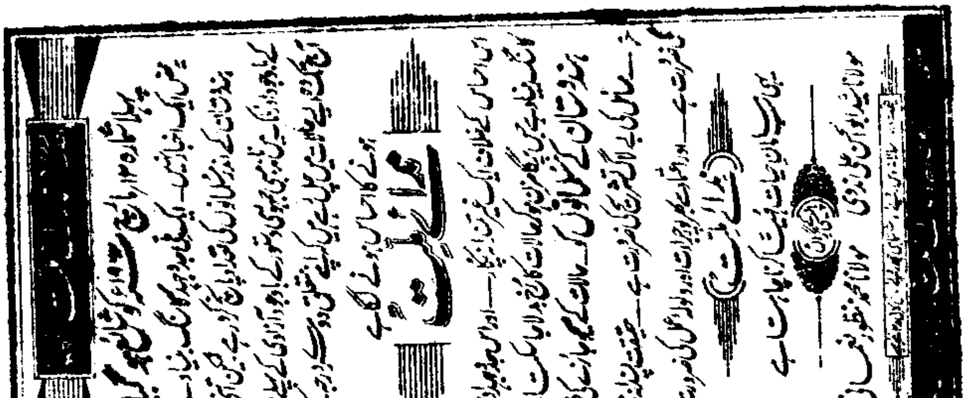

مُراسلہ و مذاکرہ

امین احسن اصلاحی

قرآن کی رو سے ترقی کا مفہوم

"قوموں کے عروج وزوال کی بحث میں قرآن مجید کی رُو سے ترقی کا کیا مفہوم ہے؟ اس سے مراد کیا صرف مادی وسیاسی ترقی ہے یا صرف روحانی ترقی یا دونوں؟ جو قوم زیادہ سے زیادہ علاقہ مغلوب کرلے یا مادی وسائل اس کے پاس زیادہ ہوں تو یہ چیز اس کی عظمت کی دلیل بتائی جاتی ہے بلکہ ایک نظریہ کے مطابق یہ چیزیں ایک قوم کے قابلِ تقلید ہونے کی دلیل بھی ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟"

جواب: - قرآن مجید کی رُو سے حقیقی ترقی وہ ہے جو خدائی بندگی اور اس کے احکام و قوانین کی کامل فرمانبرداری واطاعت کے ساتھ ہو۔ اسی ترقی سے روح اور جسم دونوں کے حقیقی مقتضیات بروئے کار آتے ہیں اور یہی ترقی مشترک طور پر تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت وبرکت کے دروازے کھولتی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد ایسی قوموں کا ذکر ہوا ہے جنھوں نے مادی اعتبار سے بڑی ترقی کی لیکن عین اپنے دورِ ترقی میں وہ عذابِ الٰہی کی مستحق ٹھہریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی ترقی کے پہلو بہ پہلو انھوں نے روحانی ترقی نہیں کی۔ اس روحانی ترقی سے محروم ہونے کے سبب سے ان کے اجتماعی وسیاسی کردار میں وہ اعتدال وتوازن نہ پیدا ہو سکا جو ایک عادلانہ نظام کے قیام کے لئے ناگزیر چیز تھا۔ اس بنیادی کمزوری کی وجہ سے بہت جلد ان کے اجتماعی وسیاسی کردار میں ایسی خرابیاں نمودار ہو گئیں جن کو قدرت کا نظام زیادہ مدت تک نہیں برداشت کرتا بلکہ ایک خاص حد تک مہلت دینے کے بعد ایسے کردار کی حامل قوموں کو فنا کر دیتا ہے۔

قرآن مجید نے امتِ مسلمہ کی تشکیل کا جو نظام پیش کیا ہے اس میں مادی وسیاسی ترقی کو اس نے روحانی ترقی کے ساتھ بالکل ہم آہنگ رکھا ہے۔ اس نے عقائد، عبادات، قانون اور اخلاق کا ایک نہایت متوازن ومعتدل نظام بنی نوع انسان کو عطا فرمایا ہے جس کو اختیار کرنے سے وہ حقیقی سعادت

یا ترقی حاصل ہو سکتی ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی صلاح و فلاح کی ضامن ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس نظام کے چار جزو ہیں، عقائد، عبادات، قانون اور اخلاق۔ یہ چاروں جزو اس نظام کے اجزائے لاینفک ہیں۔ ان میں سے اگر کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو سارا نظام یا بالکل درہم برہم اور بے برکت ہو کر رہ جائے گا۔ علاوہ بریں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس کے اجزائے ترکیبی میں اخلاق کا جو عنصر شامل ہے وہ صرف انفرادی یا محدود معاشرتی اخلاق ہی کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے اندر وہ اجتماعی و سیاسی اخلاق بھی داخل ہے جو کسی قوم کے عروج و زوال میں اصلی عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس نظام میں عقائد کا جو حصہ ہے وہ ہم کو زندگی کے بارے میں صحیح نظریات و تصورات دیتا ہے۔ ان نظریات و تصورات سے وہ انفرادی و اجتماعی اخلاق وجود میں آتا ہے جو اصل مقصود ہے اور جس پر ہماری دنیوی و اخروی سعادت کا انحصار ہے۔ عبادات کا نظام ان نظریات و تصورات کو اور اسی کے ساتھ ساتھ اس اخلاق کو جو ان نظریات سے وجود میں آتا ہے استحکام اور پختگی بخشتا ہے۔

اگر کسی معاشرہ کی تربیت ٹھیک ٹھیک اسلام کے پیش کردہ اس نقشہ کے مطابق ہو جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس سعادت کا ضامن ہے جو انسان کی تخلیق کی غرض و غایت ہے۔

لیکن اس زمانہ میں مصیبت یہ ہے کہ اسلام کے اس پورے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اگر اس وقت خود مسلمانوں کا جائزہ لیجئے جو اسلام کے حامل ہونے کے مدعی ہیں تو معلوم ہوگا کہ کسی خطہ میں بھی آج ان کی یہ حالت نہیں ہے کہ وہ اجتماعی حیثیت سے پورے اسلام کو اپنائے ہوئے ہوں۔ کچھ لوگوں کے اندر (سب کے اندر نہیں) اگر عبادات کا اہتمام ہے تو وہ اسلام کے قانون اور اس کے نظام اخلاق سے ناآشنا اور محروم ہیں۔ عقائد کا حال اکثریت کے اندر یہ ہے کہ عوام کے عقائد پرانی بدعات سے زنگ خوردہ ہو چکے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے عقائد کی جڑیں نئی تعلیم نے اکھاڑ کے رکھ دی ہیں۔ اسلامی قانون اور اخلاق کے لحاظ سے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اس کے خال خال اجزا تو ہمارے اندر ضرور پائے جاتے ہیں (وہ بھی زندگی کے

بعض خاص دائروں کے اندر) باقی سارا قانون اور پورا نظام اخلاق ہم نے کتابوں میں لکھ کر کیڑوں کے حوالہ کر رکھا ہے۔

ان حالات کے اندر وہ حقیقی ترقی جو دین و دُنیا دونوں کی فلاح و سعادت کی ضامن ہے بالکل خارج از بحث ہے۔ اس کا مظاہرہ کبھی پہلے مسلمانوں نے کیا تھا و راب ...... بھی وہی اس کا مظاہرہ کر سکتے تھے لیکن یہ جب ہو سکتا ہے جب وہ اپنے پورے دین کو اپنائیں۔ اس کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ کچھ مسلمان نماز اور حج کا اہتمام کرلیں۔

یورپ، امریکہ اور روس وغیرہ ممالک میں آج جو ترقی پائی جاتی ہے وہ ہے تو اسی اجتماعی و سیاسی اخلاق و کردار کا ثمرہ جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے لیکن جس طرح ہم مسلمانوں نے اسلام کے بعض اجزا کو لے لیا ہے بقیہ کو چھوڑ رکھا ہے اسی طرح ان قوموں نے اجتماعی و سیاسی کردار سے متعلق اسلام کے بعض اجزا کو اپنا لیا ہے اور بقیہ کو چھوڑ رکھا ہے۔ ان کے اندر محنت، وقت کی قدر و قیمت، تلاش علم، شوق جستجو، بلند ہمتی، ایثار، خدمت خلق اور جمہوریت وغیرہ کی بعض وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اسلام کا ورثہ ہیں اور انہی خوبیوں کے نتیجہ میں ان کو موجودہ ترقیاں حاصل ہوئی ہیں لیکن چونکہ یہ قومیں اسلامی نظام زندگی کی دوسری چیزوں سے محروم ہیں اس وجہ سے ان کی یہ ساری ترقیاں بنی نوع انسان کے لیے رحمت کے بجائے عذاب بنتی جارہی ہیں اور ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اب اس عذاب کے پھٹ پڑنے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔

مسلمانوں میں سے جو لوگ ان قوموں کی تقلید کی دعوت دیتے ہیں وہ اگر ان کی ان خوبیوں کی تقلید کی دعوت دیں جو فی الواقع ان کی ترقیوں کا باعث ہوئی ہیں تو میں اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا، یہ خوبیاں تو اسلام کا ورثہ ہیں اور ہمیں سے ان کو ملی تھیں لیکن اگر ان کی تقلید کے معنی ان کی برائیوں اور گمراہیوں میں بھی ان کی تقلید ہے (جیسا کہ فی الواقع ہے) تو اس چیز سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس لیے کہ ان قوموں کی یہی برائیاں اور گمراہیاں تو ان کی اور ان کے تمام مقلدین کی بربادی کا سبب بننے والی ہیں۔

تقریظ و تنقید

ابن ماجہ اور علم حدیث

تالیف: مولانا محمد عبدالرشید نعمانی
شائع کردہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

اس کتاب کے مؤلف مشہور و معروف عالم حدیث مولانا عبدالرشید نعمانی ہیں جن کی شخصیت کا تعارف تحصیل حاصل ہے۔ سنن ابن ماجہ ہی سے متعلق ان کی ایک کتاب عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے، جو اگرچہ ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن خیال یہ ہے کہ اس میں سنن ابن ماجہ پر دقیق علمی بحثیں ہوں گی۔ محترم مؤلف نے زیر نظر کتاب امام محمد ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات مرتب کرنے کے لیے لکھی ہے اور ضمناً اس میں بھی حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی سنن کا تعارف کرایا ہے۔

اس کتاب کا نام سن کر اس کے مندرجات کا جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں امام صاحب کی زندگی کے تفصیلی حالات، طلب علم کے لیے ان کی قربانیوں، ان کے علمی کارناموں، علم حدیث کے لیے ان کی خدمتوں اور مشقتوں اور ان کے تلامذہ وغیرہ کا تفصیلی بیان ہوگا۔ لیکن کتاب کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب ہمارے اندازے سے کلی طور پر مختلف ہے۔

۳۶۰ صفحات کی اس کتاب میں امام صاحب کے حالاتِ زندگی صرف تیس صفحات تک محدود ہیں اور ان کو پڑھ کر بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کیسے گزری اور علم حدیث کی انھوں نے کیا کچھ خدمت کی۔ محترم مصنف نے جابجا یہ تحریر فرمایا ہے کہ انھیں امام صاحب کے متعلق تاریخوں میں کچھ مواد نہیں ملا۔

قارئین کو خیال ہوگا کہ فاضل مصنف نے کتاب کے باقی صفحات سنن ابن ماجہ پر تنقید و تبصرہ میں صرف کیے ہوں گے، لیکن انھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کتاب میں سنن ابن ماجہ کا تذکرہ بھی صرف ۱۸

صفحات میں کیا گیا ہے۔ اس تذکرہ کی نوعیت تعارف کی ہے، تنقید و تبصرہ کی نہیں اس لیے اسکے پڑھنے کے بعد بھی سنن کے بارے میں معلومات کی تشنگی باقی رہتی ہے۔

باقی کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ تقریباً ایک سو صفحات میں حفاظ و مشائخ حدیث اور واکو علم حدیث کا بیان ہے۔ اور اسی قدر صفحات میں ایک اہم موضوع حدیث اور تدوین حدیث کی تاریخ پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ کتاب کے موخر الذکر حصہ میں محترم مصنف نے حدیث کی ضرورت اور حدیث کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی کوششوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے کتابت حدیث کا تسلسل ثابت کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے کر امام ابن ماجہؒ کے زمانہ تک کے حدیث کے نوشتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ کو پڑھ کر منکرین حدیث کے اس پروپاگنڈے کا مسکت جواب مل جاتا ہے کہ حدیث کی کتابت حضورؐ کی وفات کے دو تین صدیاں بعد میں ہوئی یہ بحث ترتیب کتاب کے لحاظ سے اگرچہ ضمناً آئی ہے لیکن اصل موضوع بحث کی نسبت اتنی زیادہ پھیلی ہوئی ہے کہ اس پر غالب آگئی ہے۔

اس کتاب میں کچھ اور اہم بحثیں بھی ہیں۔ مثلاً منکرین حدیث ہی کے اس پروپاگنڈے کا جواب بھی اس میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اور صرف گنتی کی چند حدیثیں ان کے علم میں تھیں۔ محترم مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام موصوف اپنے زمانہ کے علمائے حدیث میں نہایت اونچا مقام رکھتے تھے اور انھوں نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا۔

طلب حدیث کے لیے مسلمانوں نے جو سفر کیے اور اس کے لیے جو مشقتیں اٹھائیں، ان کے بارے میں بھی کافی معلومات دی گئی ہیں۔ انھیں پڑھ کر اپنے زمانہ کی کسل مندی اور حصول علم سے بے رغبتی پر رونا آتا ہے۔

کتاب کے آخری ایک سو صفحات افراد و قبائل، بلاد و امصار اور کتب کے اشاریہ پر مشتمل ہیں تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کی حکومت کے تین نقشے بھی دیے گئے ہیں۔ آخر میں اغلاط نامہ ہے کتاب بڑے سائز کی ہے، سفید کاغذ پر چھپی ہے، مجلد ہے اور قیمت آٹھ روپے ہے (خ۔م)

★ بیمۂ زندگی اسلامی نقطۂ نظر سے

تالیف : ابو سلمان الہندی

شائع کردہ: مکتبہ سعدیہ کراچی

صفحات ۱۲۶ قیمت ۲ روپے

اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بیمہ اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہے اور علمائے دین کی طرف سے بیمہ خصوصاً بیمۂ زندگی کے سلسلہ میں جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔

کتاب کا آغاز "علمائے کرام کے فتووں اور بیانات پر ایک نظر" سے ہوتا ہے۔ اس باب میں علماء کے متضاد بیانات نقل کرکے مصنف نے یہ دکھایا ہے کہ علماء بیمہ کے موافق و مخالف دونوں ہی قسم کی رائیں رکھتے ہیں۔ گویا اس مسئلہ کو نزاعی بنا کر ...... اس کتاب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کے بعد بیمہ کو ناجائز سمجھنے والے علماء کے دلائل پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف کی رائے میں ان علماء کو بیمہ کے نظام سے پوری طرح واقفیت نہیں تھی اس وجہ سے انھوں نے اس کے متعلق غلط رائے قائم کرلی۔

علماء کے فتووں یا بیانات سے قطع نظر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں کو سب سے پہلے یہ بات واضح کرنی چاہیے کہ معاشرہ میں بیمہ کی ضرورت پیش کیوں آئی ہے؟ بیمہ کا نظام کن معاشی حالات کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہے۔ اور وہ کون سی وجوہ ہیں جن کی بنا پر آدمی زندگی کا بیمہ کرانے کی ترغیب پاتا ہے؟ ہماری رائے یہ ہے کہ ان بنیادی سوالوں کو اس کتاب میں بالکل نظر انداز کیا گیا ہے جس سے نفس مسئلہ جوں کا توں باقی رہا ہے۔

ہمارے نزدیک بیمہ کے نظام کو موجودہ دور کے اس معاشی نظام نے جنم دیا ہے، جو خدا کی ہدایت سے ہٹ کر قائم ہوا ہے۔ اس معاشی نظام کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر خود غرضی حد اعتدال سے بڑھ گئی ہے اور غلط نظام اخلاق و سیاست کے تحت پرورش پاکر اس خود غرضی نے وہ وہ گل کھلائے ہیں کہ زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ اس کے فاسد نتائج سے بچ سکا ہو۔ انسانوں کا باہمی تعلق اگر محبت و اعتماد، رافت و رحمت اور اخلاص و ایثار کی بنا پر تھا تو اس خود غرضی نے ان صفات کے بجائے تنگ نظری، بداندیشی، بخل و حرص اور نفس پرستی کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر کی۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ موسیقی، غنا، شراب، سینما، قمار اور تفریح و آسائش کے مقاصد کے لیے مال صرف کرنا تو ایک پیدائشی حق سمجھ لیا گیا۔ لیکن اپنے فاضل سرمائے کو ضرورت مند لوگوں کی امداد کے لیے صرف کرنے پر اکسانے والی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ زیادہ وسائل رکھنے والوں میں استحصال کا جذبہ پیدا ہوا اور انھوں نے کم تر وسائل رکھنے والوں کے حقوق پر بھی دست اندازی شروع کر دی۔ اجارہ داری کے رجحان کے پیچھے بھی یہی جذبہ کام کرتا ہے۔

جس معاشی و معاشرتی نظام کے اثرات یہ ہوں، وہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملازمت پیشہ اور کم حیثیت لوگ اپنا اور اپنے بال بچوں کا مستقبل کس طرح بہتر بنائیں اور استحصال پسند طبقے کی دست اندازیوں سے کس طرح محفوظ رہیں۔ اس کا علاج ان لوگوں نے یہ سوچا کہ زندگی اور جائداد کا بیمہ کروا یا جائے تاکہ آڑے وقت میں بال بچوں کو کھانا میسر آسکے۔ گویا بیمہ تمدن کے ایک روگ کے علاج کے طور پر شروع کیا گیا اور یہی مختلف مراحل سے گزرتا ہوا مزید ترقی یافتہ شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں بیمہ کے نظام کی کیا واقعی ضرورت ہے؟ اسلامی نظام معیشت کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے معاشروں کے برعکس اسلامی معاشرہ کی بنیاد خود غرضی اور نفس پرستی کے بجائے خدا خوفی اور اخوت و ایثار پر رکھی گئی ہے۔ اسلام نے جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق آدمی جائز طریقہ ہی پر کما سکتا اور خرچ کر سکتا ہے۔ کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے اور تفریح و آسائش کے نام پر غیر ضروری روپیہ بہانے کی ذہنیت کو یہاں ختم کیا گیا ہے ان تمام طریقوں پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن سے لوگ دوسروں کا خون چوس چوس کر کروڑپتی بنتے ہیں، دولت کو سمٹنے کے بجائے معاشرہ میں گردش دینے کی تعلیم دی گئی ہے، حاجتمندوں کی اعانت یہاں امیروں کا فریضہ ہے۔ اندریں حالات ایک اسلامی معاشرے میں بیمہ کے نظام کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نظام میں اگر اس کی ضرورت باقی رہتی ہے تو وہ بیمہ کو اسلامی ثابت کرنے والوں کو بتانی چاہیے۔

علمائے کرام کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے قمار، سود، مضاربت، اور تحکم فی القدر تمام پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ یہاں اس تمام بحث پر تنقید کرنے کا تو موقع نہیں لیکن چند ضروری چیزوں کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

مصنف نے یہ غلط فہمی کی جگہ دینے کی کوشش کی ہے کہ بیمہ کے پیچھے احسان و حاجت روائی اور

تعاون علی البر جیسے اچھے محرکات کام کرتے ہیں، حالانکہ قمار، سود وغیرہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ دلیل اگر مان لی جائے تو غریبوں میں رقم تقسیم کرنے کی غرض سے جوا کھیلنا یا سودی کاروبار چلانا عین نیکی ٹھیرتا ہے۔ شاید مصنف کو یہ معلوم نہیں کہ ایام جاہلیت میں فی الواقع اسی مقصد کے لیے جوا کھیلا جاتا تھا لیکن اسلام نے جوئے کے ان اچھے محرکات کا لحاظ کر کے اسے حلال نہیں رکھا بلکہ اس کے نظام کی غلطی کی بنا پر اس کی ممانعت کر دی۔

مصنف کی یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ بیمہ کا اصول ماننے سے تقدیر پر ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور بیمہ محض ایک بچت کی اسکیم ہے۔ شاید وہ یہ بات بھول رہے ہیں کہ اگر بیمہ صرف بچت کی ایک اسکیم کا نام ہوتا تو انہیں اسے اسلامی ثابت کرنے کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑتی۔ یہ تکلف کرنے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بیمہ بچت کے ساتھ یہ گارنٹی بھی دیتا ہے کہ اگر بیمہ دار کی موت آگئی تو اس کی اولاد کو وہ رقم بھی ادا کر دی جائے گی جو بیمہ دار اپنی زندگی میں ادا نہیں کر سکا تھا۔ بیمہ کی اس گارنٹی ہی سے آدمی خدا کی رزاقیت یا تقدیر پر بھروسہ کرنے کے بجائے بیمہ کمپنیوں کا سہارا تلاش کرتا ہے۔ بیمہ کے نظام کا یہ پہلو نہ ہو تو اس کی کمپنیوں کے دفاتر شاید چند دن سے زیادہ کھلے نہ رہ سکیں۔

تبصرہ نگار کو اس کتاب سے نقصان کی ایک نادر تعریف بھی معلوم ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ نقصان اس ذہنی یا خیالی کیفیت کو کہتے ہیں جو جیب خالی ہونے کے پس منظر میں موجود ہوتی ہے۔ مصنف شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے یہ احساس بھی دلا دیا ہے کہ یہ ذہنی تکلیف صرف مہاجنی سود ادا کرتے وقت ہوتی ہے۔ بنکوں کا انٹرسٹ لیتے دیتے دقت نہیں ہوتی۔ اسی لیے وہ انٹرسٹ کو 'متعین منافع' کا نام دیتے ہیں۔

مصنف کو بارہا حقائق سے صرف نظر کرنا پڑا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی تو ضرورت نہیں البتہ ان کی اس بات کے جواب میں کہ قمار سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بیمہ سے نہیں پیدا ہوتیں، اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیمہ کی رقم سمیٹنے کی نیت سے عزیزوں اور رشتہ داروں کو قتل کرنے اور جائدادوں کو آگ لگانے کی نوبت تو کئی بار آئی ہے اور جہاں تک بیمہ کمپنیوں کا تعلق ہے ان کی بھی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی حادثہ پر ایسی رپورٹ حاصل کریں جس کے نتیجہ میں انھیں کم سے کم نقصان ہو۔ اب معلوم نہیں مصنف کو کس طرح کی خرابیوں کی تلاش ہے؟

یہ کتاب نیوز پرنٹ پر معمولی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

(ح۔م)

★ عیسائی معتقدات تعلیم انجیل کی روشنی میں

تالیف: صدرالدین

شائع کردہ: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

موجودہ عیسائیت کے مزعومات و معتقدات کے خلاف خود بائبل سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ فاضل مؤلف نے اس ہتھیار سے فائدہ اٹھا کر یہ واضح کیا ہے کہ عیسائی مذہب کا دارومدار جن بنیادی عقائد پر ہے تعلیمات انجیل کی روشنی میں وہ سب غلط ثابت ہوتے ہیں مثلاً انجیل خود شاہد ہے کہ کفارہ کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نہیں، نجات کا انحصار خدا کی فرماں برداری پر ہے، مسیح بشر اور خدا کے رسول تھے، خدا نہ تھے۔ خدا کا بیٹا، کا محاورہ محض فرمانبردار لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ کہ انجیل حضرت مسیحؑ کا جو کردار پیش کرتی ہے وہ خدائی کردار نہیں ہو سکتا۔

فاضل مؤلف نے خود اپنی جانب سے بہت کم لکھا ہے زیادہ تر انجیل کی آیتیں پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی تحریر میں متانت و سنجیدگی ہے۔ البتہ کئی جگہ یہ سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے کہ بعض حوالوں کے درج کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے۔ خود اس کتاب کے لکھنے کا مقصد بھی مصنف نے واضح نہیں کیا اور کتاب کے دیباچہ میں مقصد تالیف پر ایک لفظ درج نہیں۔ رہ سہہ کے صرف عنوان کتاب ہی سے آدمی اس مقصد کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ دیباچہ میں مصنف نے مسیحیوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات جتلا کر انھیں اپنے موجودہ رویہ پر نظر ثانی کرنے کا جو مشورہ دیا ہے، ایک منصف مزاج آدمی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

فاضل مؤلف اگر یہ بات بھی پیش نظر رکھتے کہ عیسائیوں کے نزدیک تثلیث اور کفارہ اسرار ربانی ہیں اور مسیح کامل انسان اور کامل خدا ہے تو کتاب کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ بائبل میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ساری نسل انسانی گنہگار ہے، درست نہیں۔ رومیوں باب ۵ آیت ۱۲ میں لکھا ہے۔

"پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی۔ اس لیے کہ سب نے گناہ کیا۔"

مصنف نے یہ تو واضح کر دیا ہے کہ اپنے ذاتی اعمال کے لحاظ سے سب لوگ گنہگار نہیں ہیں لیکن پیدائشی طور پر گنہگار ہونے کے مسیحی عقیدہ کے بارہ میں کچھ نہیں لکھا۔

اس کتاب کا ایک تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائبل کے غلط سلط حوالے بلا اظہار کراہت نقل کر دیے گئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب عیسائیوں کے مزعومات کی تردید کے لیے لکھی گئی ہے اور مصنف نے اپنی جانب سے اس میں کچھ زیادہ نہیں لکھا تاہم یہ ان کی بڑی فروگزاشت ہے کہ خدا کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے دامن کو صاف کرنے کی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔

بہر حال مسیحیت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب مفید ہوگی۔ ۱۲۰ صفحات کی یہ کتاب اچھے کاغذ پر ٹائپ میں شائع ہوئی ہے۔ (م۔ ا۔ س)

★ پیامِ انسانیت

تالیف : مولانا ابوالحسن علی ندوی

ناشر : ادارہ نشریات اسلام رحیم یار خان

یہ پمفلٹ محترم مصنف کی پانچ تقریروں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ملے جلے اجتماعات میں کیں اور جن میں دنیا کی موجودہ مشکلات کا حل پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کو بتایا۔ محترم مصنف کا سوز اور اخلاص ایک ایک فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ زبان نہایت شگفتہ اور آسان ہے جسے معمولی استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ۹۲ صفحات کے اس پمفلٹ کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

(خ۔ م)

★ فقرِ محمدی

مصنف : نیاز الدین نیاز جالندھری

'فقرِ محمدی' پنجابی نظم کی کتاب ہے۔ جسے مصنف نے تبلیغ دین کے مقصد سے لکھا ہے۔ یہ کتاب عوام الناس کے لیے ہے اور مصنف نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعض

سبق آموز واقعات، چند آیات کا مفہوم اور تصوف کے کچھ احوال عام فہم انداز میں نظم کیے ہیں۔
مصنف کا جوش و جذبہ قابل داد ہے لیکن تبصرہ نگار کو اس نظم میں نہ زبان کی پختگی محسوس ہوئی ہے اور نہ نظم کا معیار کچھ اونچا معلوم ہوا ہے۔ کتاب معمولی کاغذ پر چھپی ہے۔ اس کی ضخامت ۱۵۲ صفحات ہے لیکن قیمت درج نہیں۔ اسے مصنف کے ہاں سے "رحمانیہ ٹیکسٹائل ملز جھنگ روڈ لائل پور پوسٹ بکس ۲۱" کے پتہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔　　(خ۔م)

★ اسلامی پیغام کے اوّلین علمبردار

تصنیف: علامہ سید محب الدین الخطیب

ترجمہ: محمد اسلم سیف فیروز پوری فاضل عربی

ناشر: مکتبہ سعیدیہ فیض آباد براستہ تلمبہ ضلع ملتان

اس کتاب کے مصنف علامہ محب الدین خطیب مصر کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ "اسلامی پیغام کے اوّلین علمبردار" مشاجرات صحابہ کے بارے میں اُن کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اس مقالہ میں فاضل مصنف نے عربوں کے مخصوص خطیبانہ انداز میں یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام کے آپس کے تعلقات حب فی اللہ کا مظہر تھے نفس پرستی سے یہ پاکیزہ ہستیاں اجتناب کرتی تھیں اور جن لوگوں نے ان کے اختلافات ظاہر کرنے کے لئے واقعات گھڑے ہیں، انہوں نے محض اپنی صحابہ دشمنی کی بنا پر ایسا کیا ہے۔ فاضل مصنف نے اس سلسلہ میں جنگ جمل، مسئلہ تحکیم اور مسئلہ خلافت حضرت علیؓ کا ذکر خاص طور پر کیا ہے اور شیعوں کی پھیلائی ہوئی روایات کی تغلیط کر کے ان مسائل کی ایسی توجیہہ کی ہے جس سے صحابہ کے ایمان و اخلاق پر کوئی حرف نہ آئے۔

ہمیں مصنف کے خیالات سے بیشتر اتفاق ہے اور خصوصاً ہم ان کی اس بات کو بہت وزن دیتے ہیں کہ اب تک عموماً مورخین نے تاریخ اسلام کو غلط سلط روایات سے منزہ کر کے قلمبند نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص غلط سے غلط روایات کا سہارا لیکر بھی تاریخ کا چہرہ مسخ کر ڈالتا ہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، حالانکہ اس کے بیان کو قبول کرنے سے عقل سلیم بھی اِبا کرتی ہے۔ ایک مستند تاریخ اسلام کی تدوین فی الواقع ایک ملّی ضرورت ہے۔
یہ کتاب، جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے، صرف ایک مقالہ کا ترجمہ ہے اس لئے یہ توقع رکھنا کہ علامہ خطیب صاحب نے اس میں مورخانہ نقطہ نظر سے تحقیق کی ہوگی، درست نہیں البتہ اس کتاب میں تحقیق سے زیادہ خطابت موجود ہے اور بعض

اوقات طوالت کلام کا احساس بھی ہوتا ہے۔
ترجمہ عموماً رواں ہے، کہیں کہیں ثقیل بھی ہو گیا ہے۔ ۳۰۴ صفحات کی نیوز پرنٹ پر چھپی ہوئی یہ کتاب ایک روپیہ میں ملتی ہے۔ (خ۔م)

(بقیہ صفحہ ۴) ساڑھے تین لاکھ الجزائری مسلمان شہید ہوئے۔ اس معاہدہ میں فرانس نے اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ الجزائر کے مستقبل کا فیصلہ خود الجزائری کریں گے۔ ان کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے عنقریب ایک ریفرینڈم کرایا جائے گا۔ اور جب تک یہ رائے معلوم نہیں ہوتی، اس وقت تک ایک عبوری حکومت کام کرے گی۔ معاہدہ کی رو سے الجزائری حکومت اپنے ملک کے داخلی و خارجی مسائل طے کرنے میں آزاد ہوگی البتہ صحرا میں تیل کے کنوؤں اور بعض فوجی اڈوں پر فرانس کا قبضہ بدستور رہیگا اسی طرح فرانسیسی فوج کا الجزائر سے انخلا تین سال کے عرصہ میں ہوگا اور الجزائری حکومت الجزائر کے یورپی باشندوں کو شہری حقوق دے گی۔

معاہدہ کی شرائط سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فرانس نے جاتے جاتے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں کامیاب بھی رہا ہے تاہم مجموعی طور پر معاہدہ کے نتائج کے بارے میں کوئی پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔ یہ مستقبل ہی بتلائے گا کہ الجزائریوں کے حق میں یہ معاہدہ کیسا رہا البتہ اس معاہدہ سے خصوصاً اس حقیقت کے معلوم ہونے کے بعد کہ اس کی تحریک فرانس کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے کہ الجزائری مسلمانوں نے اپنے زور بازو سے فرانس کو الجزائر میں عمل دخل رکھنے سے روک دیا ہے۔ انھوں نے بڑے دگرگوں حالات میں جنگ آزادی کے کٹھن کام کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے۔ انھوں نے جس مومنانہ عزیمت اور صبر و ثبات کے ساتھ یہ جہاد جاری رکھا اس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔

اس جہاد کا ایک اہم پہلو یہ رہا ہے کہ اس کی حیثیت محض ایک بغاوت کی نہ تھی۔ جو ملک کے ایک گوشے سے اٹھتی ہے یا ملک کا کوئی خاص گروہ اس کو برانگیختہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو فرانس کو اتنے لمبے عرصہ تک اپنی ساڑھے چار لاکھ آزمودہ کار فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا۔ یہاں صورت

حال یہ تھی کہ ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک الجزائری مسلمانوں کا ہر فرد اپنے دل میں آزادی کی تڑپ پاتا تھا اور فرانس کی استعمار پسندی کا طلسم توڑنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا۔ ہمارے نزدیک مجاہدین کی کامیابی میں اس حقیقت کا بڑا ہاتھ ہے کہ الجزائریوں نے بحیثیت قوم اس کے لیے جدوجہد کی۔

مسلمانانِ عالم کی طرف سے جہاد کے کٹھن سالوں میں مجاہدین کے ساتھ جو تعاون ہوا ہے وہ اتنا قلیل ہے کہ مسلمانوں کی ایک بیماری کا پتہ دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو جسدِ واحد قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کی ایک مطلوبہ صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر اس جسد کے ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسد اس کے کرب سے تلملا اٹھتا ہے۔ اس جہاد میں یہ بات واضح ہوئی ہے کہ مسلمان ممالک کے نزدیک اپنے سیاسی علائق اتنے محترم ہیں کہ ان کی وجہ سے یہ اپنے مسلمان بھائیوں سے کوئی خاطر خواہ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ مسلمانوں میں اسلامی اخوت اور یک جہتی کا کس قدر فقدان ہے اور دوسری قومیں اس معاملہ میں کتنی بلند ہیں اس کا اندازہ آج سے تیس سال قبل فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی جھڑپوں میں بھی ہوا تھا۔ جب یہودیوں کی امداد کے لیے دنیا بھر کے یہودیوں نے مل کر دس لاکھ پونڈ چندہ دیا۔ مگر مسلمانانِ عالم نے جن کی تعداد یہودیوں سے پچیس گنا زیادہ ہے، مل کر صرف تیرہ ہزار پونڈ فراہم کیے۔ قوم کے اس جمود پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

الجزائری مسلمانوں کے اس جہاد نے محکوم قوموں کو استعماری طاقتوں سے نجات حاصل کرنے کا صحیح طریقہ بتا دیا ہے۔ یہ کہنا حقیقت کو جھٹلانا ہوگا کہ فرانس کا ناک میں دم کر کے اسے پسپائی پر مجبور کرنے میں تیغ و تفنگ کی کثرت کا ہاتھ تھا۔ الجزائری مجاہدین نے یہ جنگ محض ایمان و عزیمت اور ثبات و استقلال کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لڑی، مادی وسائل ان کے پاس محض برائے نام تھے۔ اگر مادی وسائل بھی انھیں حاصل ہوتے تو جنگ کا نتیجہ شاید بہت پہلے نکل چکا ہوتا۔ کوئی عجب نہیں کہ الجزائر کا یہ جہادِ حریت دوسری محکوم قوموں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہو اور اس کے نتیجہ میں استعمار کا جنازہ اٹھے۔

اب جب کہ الجزائر اپنے مسائل ومعاملات کے طے کرنے میں خود مختار ہے، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ اپنی پالیسیوں کا رہنما کس چیز کو بناتا ہے اسلام کو یا غیر اسلام کو۔ ہمارے نزدیک اب وہ مرحلہ آگیا ہے جس میں الجزائری مسلمانوں کو یہ ثابت کرنا ہے کہ انھوں نے ساڑھے تین لاکھ مجاہدین کی قربانی اسلام اور صرف اسلام کے لیے دی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ الجزائر آزاد قوموں میں بلند مقام حاصل کرے اس کی مشکلات دور ہوں، اسے خوشحالی اور امن نصیب ہو اور یہ شمالی افریقہ میں اسلام کا علمبردار بن کر رہے۔

ماہنامہ

میثاق

کی جلدیں

جن حضرات کو "میثاق" کی پرانی جلدیں مطلوب ہوں وہ فوراً اپنے آرڈر ارسال فرمائیں۔

اس وقت دو تین شماروں کے سوا تمام پرچے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

فرمائش میں تاخیر کر کے اس گراں قدر چیز سے محروم نہ رہیئے۔

قیمت فی شمارہ (۶۰) ساٹھ پیسے

پرانے یا نئے مستقل خریداروں کو ہر پرچہ پچاس پیسے ہی میں دیا جائے گا۔

مینجر

ماہنامہ "میثاق" رحمان پورہ اچھرہ

لاہور ۱۲

Regd. No. L. 7360

Monthly **MEESAAQ** Lahore

APRIL, 1962

وہ سجدہ، روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

«المنبر»

جن فتنوں کے خلاف مصروف جہاد ہے:

- o دین میں ترمیم و تحریف
- o انکار سنت
- o قادیانیت
- o بہائیت
- o عیسائیت
- o اشتراکیت
- o غیر اسلامی نظام
- o ظلم و استبداد
- o انتشار و منافرت
- o گروہ بندی و عصبیت
- o فحاشی و عریانیت
- o وطن دشمنی

اگر آپ فکر و نظر کی گمراہی اور معاشرے کو اسلام سے منحرف کرنے والی ان برائیوں کے خلاف جد و جہد کرنا چاہتے ہیں تو "المنبر" آپ کا بہترین معاون ثابت ہوگا۔

ہفت روزہ المنبر لائل پور

زیر ادارت:
عبدالرحیم اشرف

— "المنبر" کی ہر سطر دعوت الی اللہ اور اظہار حق کے لئے وقف ہے، آپ "المنبر" کا مطالعہ فرمائیے۔

— "المنبر" کا ہر شمارہ اسلام اور عالم اسلام کے مسائل سے بھرپور ہوتا ہے۔

— "المنبر" نے مکہ معظمہ، بغداد، استنبول، ٹوکیو اور دوسرے اہم مقامات سے حالات و کوائف حاصل کرنے کا خصوصی اہتمام کر رکھا ہے اور متعدد ممالک میں المنبر کے خصوصی نمائندے مقرر ہیں۔

— "المنبر" کے ذریعہ خدا کے دین کی منادی ہر شخص اور ہر گھر تک پہنچانے کے لئے زرتبادلہ نصف کر دیا گیا ہے۔ آپ صرف چار روپے ادا کرکے سال بھر کے لئے "المنبر" طلب فرما سکتے ہیں۔

مینجر «المنبر» پوسٹ بکس ۱۰۱ - لائل پور

ہندوستانی احباب اپنا زرسالانہ دفتر "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ—ارسال فرمائیں

سرورق جدید اردو ٹائپ پریس لاہور میں طبع ہوا